

الحکام

ایک فکری گمراہی

تالیف
ڈاکٹر ابو عثمان شہیل

۲۵۵,
ب-۱

مکمل شہادت

انکارِ جسم

ایک فکری گمراہی

ڈاکٹر ابو سعید خان سہیل

مکتبہ قدوسیہ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

*** توجہ فرمائیں! ***

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

*** تنبیہ ***

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

ضوابط و صورت اور معیاری مطبوعات

کتاب و سنت
کی
تقریر و اشاعت
کے لیے
کوشش

255ء

۱-۱۰

اشاعت — 2005ء



ایوبکر قدوسی نے امداد پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کی۔

Ph: 042-7230585-7351124
Email: qadusia@brain.net.pk

مکتبہ قدوسیہ

رحمان مارکیٹ @ غزنی سٹریٹ @ اردو بازار @ لاہور پاکستان

فہرست مضامین

۸ عن الكتاب	✽
۲۱ مقدمہ	✽
۳۱ پیش لفظ	✽

فصل اول

۳۸ شریعت اسلامیہ اور نفاذ حدود	✽
۳۸ حد کا مفہوم	✽
۴۰ اقسام حدود	✽
۴۰ شریعت میں نفاذ حدود کی شرائط	✽
۴۴ زنا کی لغوی اور شرعی تعریف	✽
۴۸ زنا کی شہادت اور اس کا طریقہ	✽
۵۱ اپنے جرم کا اقرار	✽

فصل دوم

۵۳ حد جرم... قرآن و سنت کی روشنی میں	✽
۵۴ آیت عمار بنہ سے استدلال	✽
۵۸ آیت لعان سے استدلال	✽
۶۵ رجم حصن کے ماخذ	✽
۶۵ شادی شدہ مرد و عورت کی سزا	✽
۶۵ غیر شادی شدہ کے لیے زنا کی سزا	✽

فصل سوم

- ۷۵ حد رجم واقعات کی روشنی میں *
 ۷۵ تفسیر تہ برقرآن کی عبارت *
 ۸۱ ماعز اسلمی روایات کے آئینہ میں *
 ۸۸ ایک علمی خیانت *
 ۹۱ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر الزام زنا کی حقیقت *

فصل چہارم

- ۱۰۳ صحابیت کی نئی تعبیر *
 ۱۰۳ شرف صحابیت کا معیار *
 ۱۰۸ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ *
 ۱۰۹ محدثین کے موقف سے انحراف کے نتائج *

فصل پنجم

- ۱۱۳ فقہاء و محدثین کا صحیح موقف *
 ۱۱۳ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا موقف رجم *
 ۱۱۸ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ *
 ۱۱۹ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے *
 ۱۱۹ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ پر الزام *
 ۱۲۰ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر نظر عنایت *
 ۱۲۲ شیخ عبدالوہاب خلاف کا نکتہ نظر *
 ۱۲۶ فہرمت ماخذ *

انتساب

ملت اسلامیہ کے ان ذی شعور اور بالغ نظر افراد کے نام! جو اس دور انحطاط میں اسلامی اقدار کے تحفظ اور قرآن و سنت کے احکام و ہدایات پر عمل کرنے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں! جو اپنی عقل و وجدان پر کامل بھروسہ کرنے کے بجائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے طرز فکر اور طریقہ عمل کو اپنے لیے مشعلِ راہ بناتے ہیں!!

ڈاکٹر ابو عدنان سہیل

عَنِ الْكِتَابِ

اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود مسعود کو مصعب بعثت و رسالت سے سرفراز فرما کر اہل ایمان و اسلام پر اپنا احسان جتلاتے ہوئے فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۱۶۴﴾﴾

[آل عمران: ۱۶۴]

”اللہ نے ایمان والوں (مسلمانوں) پر بڑا فضل (احسان) کیا کہ انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا (یعنی وہ آدمی ہیں، نہ کہ جن اور فرشتہ) جو اس کی آیات انہیں پڑھ کر سنا تا ہے۔ اور شرک کی گندگی سے ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو قرآن وحدیث سکھاتا ہے۔ اور بے شک وہ تو (اس نبی کے آنے سے) پہلے گمراہی میں تھے۔“ بعینہ یہی مضمون سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹، آیت: ۱۵۱ اور سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر ۲ میں بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن نے ان تمام آیات میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے تین بنیادی مقاصد بیان فرمائے ہیں:

☆ تزکیہ نفوس

☆ بصورت تلاوت قرآن بتلخ کتاب

☆ کتاب وحکمت کی تعلیم

پہلے منصب و مقصد کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی کتاب، قرآن مجید کے ان الفاظ، کلمات اور آیات کو آگے امت تک پہنچا دینا کہ جو اللہ ذوالجلال کی طرف سے سیدنا جبریل علیہ السلام لے کر آتے رہے، جیسے کہ رب تعالیٰ کا حکم تھا:

”اے پیغمبر! تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ بھی (بصورت اوامر و نواہی ارشادت مقدسہ) آتا رہا گیا ہے وہ تمام لوگوں تک (بے کھٹکے سب کا سب) پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا (یعنی تبلیغ و تلاوت قرآن میں خیانت کی) تو تم اللہ کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کر سکے) اور اللہ تعالیٰ

تمہیں لوگوں سے (کہ جو اس منصب کی ادائیگی کے ردِ عمل میں تمہاری جان کے درپے ہوں گے) بچالے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو سیدھی راہ پر نہیں لاتا۔“

[المائدہ: ۶۷]

رسول اللہ ﷺ نے توحیدِ باری تعالیٰ کے ذریعے شرک و خرافات کی جڑ کنی کر کے تزکیہٴ نفوس کے ساتھ جو صدیقین و شہداء اور صلحاء و اولیاء اللہ کی اُمت صالحہ و معصومہ، خیر الامم تیار فرمائی وہی جماعتِ حقہ اس دنیا پر آسمان دُنیا نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

باقی رہا تیسرا منصب..... قرآن و حکمت کی تعلیم؟ تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِيُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۱﴾﴾

[النحل: ۴۴]

”اور (اے ہمارے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے تم پر قرآن اتارا تاکہ تم لوگوں کو سمجھا دو جو ان کی طرف (دینِ حق) اتارا گیا ہے اور اس لیے کہ وہ خود بھی (قرآن و سنت میں) غور و فکر کریں۔“

یعنی قرآن کے نازل کرنے کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ: نبی کریم ﷺ اپنے قول و عمل سے اس کی توضح و تشریح فرمائیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی تعیین و توضیحات کو سامنے رکھے بغیر قرآن کے جملات کو سمجھنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ((إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمَثَلَهُ مَعَهُ))

”خبردار! مجھے قرآن اور اس جیسی ایک اور چیز یعنی سنت دی گئی ہے۔“

پس قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے سنت سے بے نیازی اس آیت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

مندرجہ بالا آیت (النحل: ۴۴) میں رسول اللہ ﷺ کو قرآن کی تعیین کا جو حکم ہوا تو اس کا معنی ہے؛ کسی چیز کو کھول کھول کر بتلانا۔ یعنی اس میں جو اشارہ ہو اس کی توضح کرنا، جو اجمال ہو اس کی تفصیل کرنا، جو ابہام ہو اسے دُور کرنا اور متعدد احتمالات ہوں تو صحیح معنی اور ٹھیک معنی کی تعیین کرنا..... تب جا کر قرآن و حکمت کی تعلیم والا ذمہ ادا ہوگا۔

ایک موٹی عقل کا آدمی بھی اتنی بات تو سمجھ ہی سکتا ہے کہ: کسی ایسی کتاب کی شرح و توضح اور تعلیم محض اس کتاب کے پڑھ کر سنا دینے سے نہیں ہوتی کہ جو قابلِ تعیین و تشریح ہو۔ بلکہ شرح کرنے والا اس کتاب کے مضمون سے زائد کچھ ضرور چھتا ہے تب جا کر سنیے والا کتاب کا

مطلب پوری طرح سمجھ پاتا ہے۔ اور اگر کتاب کی کوئی بات کسی عملی مسئلہ سے متعلق ہو تو شارح کو عملی ثبوت پیش کرنا پڑتا ہے۔ بصورت دیگر کتاب کے الفاظ کا مدعا چوتھے والے کو صرف اس کا متن سنادینے سے ایک طفل کتب کے نزدیک بھی شرح و توضیح اور تبیین و تعلیم نہیں کہلاتا۔

مثلاً قرآن میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، حج، عمرہ کرو۔ اب اگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر لوگوں کو یہی پڑھ کر سنا تے رہتے اور عملاً یہ نہ بتلاتے کہ یہ سب کام کیسے کرنے ہیں تو یہ تلاوت محض رائیگاں جاتی، بلکہ ایک قسم کا فحشو کہ بن کر رہ جاتی۔

جناب محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور نبی ماننے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیم و تزکیہ اور تشریح و توضیح کو بھی قبول کیا جائے ورنہ آپ کی رسالت اور قرآن دونوں کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو فرمایا ہے:

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ.....﴾ تو یہاں کتاب سے مراد قرآن اور

الحکمة سے مراد ”حدیث و سنت“ ہے۔

جیسا کہ مفسر قرآن حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ کی تفسیر میں لکھا

ہے:

((وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ..... يَعْنِي الْقُرْآنَ..... وَالْحِكْمَةَ..... يَعْنِي

السُّنَّةَ..... قَالَ الْحَسَنُ وَقْتَادَةُ وَمِقَاتِلُ بْنُ حَيَّانَ وَابُو مَالِكٍ

وغيرهم))

اللہ تعالیٰ کے فرمان..... اور وہ پیغمبر نہیں ”کتاب و حکمت“ کی تعلیم دے تو کتاب سے مراد ”قرآن“ ہے اور حکمت سے مراد ”سنت“ ہے۔ جیسا کہ مفسرین کرام امام حسن بصری، حضرت قتادہ، مقاتل بن حیان اور ابو مالک رحمہم اللہ اجمعین نے بیان کیا ہے۔

امام محمد بن ادریس الشافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((وَسَمِعْتُ مَنْ أَرْضَاهُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْقُرْآنِ يَقُولُ ؛ الْحِكْمَةُ

سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.....))

”قرآن مجید کے جن اہل علم کو میں پسند کرتا ہوں، انہیں میں نے فرماتے ہوئے

سنا ہے کہ حکمت سے مراد ”رسول اللہ ﷺ کی سنت“ ہے۔

حافظ ابن قیم رضی اللہ عنہ (متوفی ۷۵۲ھ) فرماتے ہیں:

لے تفسیر ابن کثیر طبع دار المعرفہ، بیروت

لے دیکھئے: الرسالہ، أصول الفقه

((وَالْحِكْمَةُ هِيَ السُّنَّةُ بِاتِّفَاقِ السَّلَفِ)) [دیکھئے: کتاب الروح]

”سلف صالحین کا اتفاق علیہ فیصلہ ہے کہ حکمت سے مراد ”سنت“ ہے۔“

یہ ”سنت“ کہ جسے قرآن میں ”حکمت“ کہا گیا ہے، بھی منزل من اللہ تھی۔ اور جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۗ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ [النساء: ۱۱۳]

” (اے ہمارے نبی!) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب (قرآن مجید) اور حکمت (یعنی سنت، دونوں) کو نازل فرما دیا ہے۔ اور آپ کو اس نے وہ باتیں (حکمت و دانائی اور شریعت و قیادت کی) سکھائیں کہ جنہیں آپ ﷺ جانتے نہ تھے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہوا ہے۔“

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو کئی طرح کے فتنوں سے آگاہ فرما دیا تھا، خیر القرون میں امت صالحہ دین حنیف کے دونوں مصادر حقہ قرآن و سنت کے ساتھ تمسک کے ذریعے بے دینی والے فتنے سے بہت زیادہ حد تک بچی رہی۔ مگر زمانہ جیسے جیسے صحابہ کرام و تابعین عظام کے دور سے دور ہوتا گیا شیطان نے لوگوں کے دلوں میں سنت کی تشکیک کے بیج بونے شروع کر دیے۔ حتیٰ کہ وہ دور بھی آیا کہ ”سنت و حدیث“ کا کھلم کھلا انکار کیا جانے لگا۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس بدکرداری میں اہل ثروت ہمیشہ پیش پیش رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے درج ذیل فرمان میں اس بات کی نشاندہی فرمائی تھی:

”خبردار! مجھے قرآن پاک کے ساتھ ساتھ قرآن کا مثل (جو مصدر شریعت کے

اعتبار سے اس کے برابر ہے) بھی دیا گیا ہے۔ خبردار! عنقریب ایک پیٹ بھرا

انسان کہ جو اپنے پیٹ (تحت پوش یا صوفی) پر ٹیک لگائے ہو گا وہ (اپنے

ساتھیوں سے) کہے گا: اس قرآن کو لازم پکڑ لو۔ اس میں جو حلال ہے اسے

حلال سمجھو اور جو حرام ہے اسے حرام جانو۔“ (ابن ماجہ کے الفاظ ہیں کہ فرمایا: ((

وَلَنْ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَمَا حَرَّمَ اللَّهُ.....)) حالانکہ جن چیزوں کو

اللہ کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے ان کی حرمت اسی طرح ہے جس طرح

حرمت ان چیزوں کی جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔“

نبی مکرم و معظم محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی لفظ بلفظ حق ثابت ہوئی۔ بنگلوں،

کوشیوں میں بڑے ٹھاٹھ سے خوشحالی اور عیش و نشاط کی زندگی گزارنے والے آج حدیث

لے سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، ح: ۶۰۴

رسول ﷺ کی حجیت کا کھلم کھلا انکار کرتے ہیں۔

جب سے ملت اسلامیہ کے ان ممالک میں جہاں یہود و ہنود اور مشرکین و نصاریٰ کے کاسالیسوں کی حکمرانیاں آئی ہیں ان اللہ کے مجرموں اور گستاخانِ رسول کو کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے اور وہ بے لگام بولتے، لکھتے چلے جا رہے ہیں۔ کوئی انہیں پوچھنے والا ہی نہیں۔ البتہ اس گئے گزرے دور میں آج بھی اہل حق کو اللہ رب العزت نے توفیق بخش رکھی ہے کہ وہ ایسوں کے منہ ”براہینِ صادقہ اور بیاناتِ قاطعہ“ کے ذریعے توڑتے رہتے ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ میں ”محسنِ زانی اور محسنہِ زانیہ“ کی سزائے رجم ایک معمول بہا حکم رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ و طاہرہ سے لے کر خلفائے راشدین و مہدیین والے ادوار اور ان کے بعد والے زمانوں تک اس حکم پر عمل رہا اور بلاشبہ یہ بالکل اسی طرح کا ہی ایک قانونِ شریعت ہے جس طرح کے دیگر۔

زیر نظر کتاب ”انکارِ رجم ایک فکری گمراہی“ منکرینِ حدیث میں سے ایک کی مجرمانہ کاوش ”حقیقتِ رجم“ کا منہ توڑ جواب ہے۔ محترم ڈاکٹر ابو عدنان سہیل نے ”ہندی محققین“ میں سے ایک محقق کے دل و دماغ کا ایسا آپریشن کیا ہے کہ اپنے ماہرانہ طبی پیشے کے ساتھ ساتھ علمی ذمہ داری کا بھی حق ادا کر دیا ہے۔ فَبَجَزَاهُ اللَّهُ خَيْرًا

اللہ تعالیٰ کلمتہ قدوسیہ، لاہور والوں کو بھی خدمتِ دین کے صلہ میں جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ ہمیشہ ایسی نیک کاوشوں کو علامتہ الناس تک پہنچانے میں اپنا سرمایہ صرف کرتے رہتے ہیں۔

فَجَزَاهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا عَنَّا وَعَنْ جَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا

اخوکم فی اللہ

ابو نعیم محمد زکریا زاہد

لاہور۔ ۹ ستمبر ۲۰۰۴ء

تعارف

ڈاکٹر ابوعدنان سہیل ۱۵ ستمبر ۱۹۴۶ء میں ملکہ کوہ سارنہنی تال کی ترائی میں واقع ایک مردم خیز اور ایک ہر سبز و شاداب قصبہ سیبڑی ضلع بریلی کے ایک دینی اور علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام افتخار احمد ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے افسانے اور دیگر تخلیقات دہلی اور برصغیر ہندو پاک کے دیگر موقر علمی اور ادبی رسائل و اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

ڈاکٹر سہیل صاحب اب تک درجنوں بلکہ سینکڑوں افسانے، علمی مقالات اور دینی، ادبی و طبی مضامین لکھ چکے ہیں۔ نیز ڈاکٹری کے موضوع پر آپ نے کئی معیاری کتابیں لکھی ہیں اور چند دینی کتابیں بھی آپ نے لکھی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے انداز تحریر اور ژرف نگاہی کا اعتراف مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری مدظلہ جیسی عبقری اور معتمد ہستیوں نے بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو زمانہ طفولیت ہی سے دینی حمیت اور غیرت اسلامی کا وافر حصہ ملا ہے۔ جب بھی انہوں نے اسلام یا عقائد اسلام پر کسی کو حملہ کرتے ہوئے دیکھا تو اپنے بیدار ضمیری کا ثبوت دے کر مردانہ دار میدان میں کود پڑے اور باطل کے خلاف پوری قوت سے اقدام کیا۔ چنانچہ حال ہی میں عنایت اللہ سبحانی صاحب (بلری یا سنج) نے اسلام کے اجماعی اور مسلم مسئلہ ”رجم“ پر ”شخون مارا اور“ ”حقیقتِ رجم“ نامی کتاب تصنیف کر کے لوگوں کو شک و شبہات کے خس خانہ میں جھونک دینے کی کوشش کی۔ جس میں حقائق سے دانستہ چشم پوشی کر کے مسلمات اسلامیہ کا بے دردی کے ساتھ انکار کیا۔ نیز

نصوصِ شرعیہ کی دُوراز کارتاویلات اور بے جا توجیہات سے کام لیا۔
چنانچہ ڈاکٹر سمیل صاحب نے ان کی اس مغالطہ انگیز اور فتنہ پرور کتاب کا جواب
”انکارِ جم ایک فکری گمراہی“ کے نام سے تحریر فرما کر احقاقِ حق کا فریضہ انجام دیا اور
حقیقت مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرما کر اس کتاب
کو اپنے بہت سارے بندوں کے لیے حقیقتِ حال سے صحیح آشنائی کا ذریعہ بنائے۔
آمین

(حضرت مولانا منشی) محمد راشد صاحب اعظمی
استاذ فقہ و تفسیر دارالعلوم دیوبند

تاثرات

مؤرخِ اسلام جناب قاضی اطہر صاحب مبارکپوری

اسلامی قانون میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے۔ جس پر سلف سے خلف تک (ساری) امت کا اجماع ہے۔ البتہ خوارج اور معتزلہ رجم کے قائل نہیں ہیں۔ جن کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول صادق آتا ہے کہ آگے چل کر کچھ لوگ کہیں گے؛ ہم کتاب میں رجم نہیں پاتے ہیں، اس طرح وہ گمراہ ہوں گے۔ ایک ایسے فریضہ کو ترک کر کے جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ حالانکہ کتاب اللہ میں رجم حق ہے۔ اس دور میں انکارِ رجم کا فتنہ جمید الدین فراہی کے تفسیری تفردات میں سے ایک منفرد رائے پر اٹھایا گیا۔ حالانکہ جس طرح بہت سے ائمہ کے تفردات کو ان کی ذاتی رائے قرار دے کر خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے۔ اسی طرح انکارِ رجم کی تحقیق و رائے کو مولانا فراہی کی ذاتی تحقیق سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی جاتی تو اچھا ہوتا، مگر ان کے تلامذہ اور متاثرین کے ایک حلقہ نے اس کو اسلام کے قوانین میں ایک نئی دریافت کی حیثیت سے اس کے ثبوت میں مضامین و مقالات لکھے اور لکھنے کا انداز جارحانہ اختیار کیا۔ خاص طور سے مولانا امین احسن اصلاحی اور ان کے حلقہ نے نہایت غیر سنجیدہ مضامین لکھے۔ اس صورتِ حال کا فائدہ ہوا کہ ان کے جواب میں اہل علم و تحقیق نے بھی مضامین اور کتابیں رجم کے ثبوت اور اجماع پر لکھیں، اور اس سلسلہ میں ہندو پاک میں اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا۔

منکرینِ رجم کی طرف سے جو مضامین یا کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں مولانا عنایت اللہ سبحانی کی کتاب ”اور حقیقتِ رجم قرآن و سنت کی روشنی میں“ نمایاں ہے۔ موصوف نے اس میں بڑی عرق ریزی سے کام لے کر اپنے خیال کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی

ہے۔ وہ اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہیں؟ اس کے لیے کتاب کا تنقیدی و تحقیقی مطالعہ ضروری ہے۔ جناب ڈاکٹر سہیل صاحب نے ”انکارِ جم ایک فکری گمراہی“ کے عنوان سے موصوف کی کتاب اور ان کے دلائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ میں نے اس کے مسودے کے ابتدائی اجزاء کا مطالعہ کیا ہے۔ موصوف نے بڑی سنجیدگی سے سبحانی صاحب کی کتاب کا جائزہ لیا ہے اور علمی و تحقیقی انداز میں کلام کیا ہے۔ ڈاکٹر سہیل صاحب کی اس کتاب سے سبحانی صاحب کے دلائل کی حقیقت سامنے آ جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ دینی علوم میں ان منکرینِ رجم کو کتنا رسوخ ہے؟ اور یہ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کے علی الرغم یہ لوگ ان کے بارے میں کس قدر گستاخ انداز بیان اختیار کرتے ہیں اور احادیث میں ان کا کیا موقف ہے۔

ڈاکٹر سہیل صاحب نے اپنی اس کتاب میں بڑے محققانہ اور عالمانہ انداز میں کلام کیا ہے؟ وہ طب و حکمت جیسے خشک پیشے سے متعلق رہ کر دردمندانہ انداز میں اسلامی و دینی موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی دو کتابیں (۱) ”اسلام میں بدعت و ضلالت کے محرکات“ اور (۲) ”اذکارِ تصوف اور تزکیہ نفس ایک تجزیاتی مطالعہ“ زیر طبع ہیں۔ اور یہ تیسری کتاب ”انکارِ جم ایک فکری گمراہی“ زیر ترتیب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کتابوں کے ذریعہ ان کی دینی و علمی خدمات کو قبول فرمائے۔

قاضی اطہر مبارکپوری

۲۳ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ

۲۵ اپریل ۱۹۹۵ء

تقریظ

محدث جلیل مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ العالی
خلف الرشید، رأس الفقہاء خاتم المحدثین علامہ سید انور شاہ کشمیری

علماء اور صوفیہ اسلام کے وہ دو طبقے ہیں، جن کی دانش و بینش، علم و فراست پر اعتماد کیا گیا۔ ایک محقق کو دوران تحقیق وسعت مطالعہ وسعت نظر کچھ ایسی آراء کی جانب بھی لے جاتی ہے جسے ”تفرد“ کہتے ہیں۔ صوفیہ کے یہاں بھی کیفیت و مستی میں ڈوبے ہوئے بعض کلمات ”شطحیات“ کے نام سے معروف ہیں۔ شطحیات ہوں یا تفردات، شریعت کی کسوٹی اور مسلمہ فقہاء و علماء کی پختی ملی آراء پر پرکھے جائیں گے۔ غیر متضاد ہوں تو قبول، منصوصات سے متضاد ہوں تو نظر انداز۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جلیل علم ہیں۔ حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ، شارح ہدایہ، فقہ حنفی کی ترجمانی میں شاہسوار ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تجدید کی شرائط پوری کرتے ہیں۔ جنید، بایزید، منصور اور سری سقطی دستان تصوف کے گوہر آمار ہیں۔ لیکن مذکورۃ الصدر دانشوروں کے تفردات رد کر دیئے گئے اور موخر الذکر ہستیوں کے شطحیات کو ناقابل قبول ٹھہرایا گیا۔ امت کا یہی معمول رہا اور اسی میں خیر ہے۔

اگر مولانا حمید الدین فراہی نے کچھ تفردات کیے تو ان تفردات کے ساتھ یہی معاملہ ہونا چاہیے تھا۔ مگر افسوس کہ مرحوم کے تلامذہ نے ان تفردات کی پر زور و کالت شروع کر دی۔ اس دھینگا مستی میں بے سرو پا باتیں بھی قلم سے نکلیں اور کہیں کہیں ”توجیع القول بما لا یروضی بہ قائلہ“ لہ کا منظر بھی سامنے آیا۔

لے ترجمہ:..... کسی ایسی بات کو حلق میں یوں گھسا پھرا کر زبان پر لانا کہ جس کا کہنے والا بھی اس پر راضی نہ ہو۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا انکار صرف زبانی نہیں بلکہ ان کے فکر و نظر کا انکار عملی انکار ہے۔ امیر المؤمنین فی الحدیث و ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خصوصی عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جس بد نصیب کو صحابہ کے بارے میں قیل و قال کرتے ہوئے پاؤ، سمجھ لینا کہ وہ زندیق ہے۔“

پھر کیا خیال ہے اگر ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے فکر و نظر سے کوئی غیر معقول اختلاف کی راہ پر نچلے؟ حالانکہ دونوں کی اقتداء کا صراحتاً حکم ہے۔ ان میں ایک صدیق اور دوسرے محدث ہیں۔ سوچنے کی بات تھی کہ جرم کی شدت و خفت پر سزا ہلکی و سخت دی جاتی ہے۔ مرض اگر کبھی برابر ہو تو ڈاکٹر کا اس پر ریوالور سے حملہ، یعنی تیز ادویہ کا استعمال، کینسر ایسی جانکسل بیماری ہو اور ہلکی پھلکی دوائی کا اہتمام، فن سے ناواقفیت کی علامت ہے۔ اب سوچئے! ایک غیر شادی شدہ مرتکب زنا ہے۔ دوسرا عقد ازدواج میں منسلک ہونے کے باوجود زنا ایسے شنیع فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ کیا دونوں ایک وزن کے جرم ہیں؟ فقہاء جہاں یہ محسوس کرتے ہیں کہ مجرم خبیث فطرت میں مبتلا ہو گیا اور کوئی معالجات کا آئینہ ہوگا، معاشرے کو اس کے وجود سے پاک کرنے کے لیے اس کا قصہ ہی نمٹاتے ہیں۔ اور جہاں یہ محسوس کرتے ہیں کہ فطرت پیرا نہیں ہوئی بلکہ کسی ایسے تقاضے کے نتیجے میں ارتکاب جرم ہوا جسے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی تو سزا میں تخفیف کرتے ہیں۔ اسی اصول کے پیش نظر محسن و غیر محسن کی سزا میں تفریق فقہاء کے پیش نظر رہی۔ اگر آپ نے دونوں مجرموں کی سزا ایک کر دی تو کیا یہ کوئی انصاف کی بات ہوگی؟ تو سنا پ کو دودھ پلا کر پالنے کے ہم معنی ہوگا۔ رہا حضرت علامہ کشمیری کی مشکلات القرآن یا فیض الہاری سے کچھ اقتباسات پیش کر کے یہ تاثر دینا کہ وہ بھی جرم کے منکر ہیں، بڑا جرم ہے اور کھلی علمی خیانت۔

حدود و سزاکے نفاذ میں خود حضور اکرم ﷺ نے سزا کو ختم کرنے کا فی الجملہ مطالبہ فرمایا جیسا کہ ((ادروا الحدود بما استطعتم)) سے واضح ہے۔ لیکن جب جرم ثابت ہو گیا اپنی تمام شرائط و قیود کے ساتھ تو آپ ﷺ کا وہ انتباہ بھی سامنے رہنا

چاہیے کہ اگر حد قائم نہ کی گئی تو یہ ہوگا، وہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے نفاذِ حد میں تخفیف تو درکنار سفارشِ اسامہ بھی قبول نہیں کی اور اسی وقت منبر سے ایک پر زور خطاب کے ذریعہ آخر میں یہ پھڑکتے ہوئے کلمات بھی ارشاد فرمائے:

((لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))

عجیب بات ہے کہ بطلان کی اشاعت جب ہوتی ہے، احقاقِ حق کرنے والے بھی کھڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ فرعونیت جب پائے لُوبی کرتی ہے تو عصائے موسیٰ سرکوبی کے لیے نمودار ہوتا ہے۔ بھلا کوئی تک ہے اس بات کی کہ ایک طبیب اور طبی ادارہ میں معلم خالص علمی، فقہی اور شرعی مسئلہ پر قلم اٹھا رہا ہے۔ صرف خامہ فرسائی نہیں بلکہ تحقیقِ اینق، اطراف و زوایا پر مبصرانہ نظر، تطبیق و توجیہ میں ژرف نگاہی، اُردو نہ صرف کلفت و شستہ بلکہ قلعہ کی اُردوئے معلیٰ۔ خدا تعالیٰ جزائے خیر دے ڈاکٹر سہیل کو..... وہ کام کیا جو کسی دارالعلوم کے محدث، یا کسی مدرسۃ العلم کے مفسر یا دارالافتاء کے کسی مفتی کو انجام دینا چاہیے تھا۔

اس موقع پر بے اختیار قرآن حکیم کی وہ پیشین گوئی یاد آگئی کہ اگر تم قیامِ دین اور دفاعِ عن الدین کے لیے کھڑے نہیں ہو گے تو خدا تعالیٰ پھر ایسی ایک قوم سے یہ کام لے گا، جو ہر طرح تم سے بہتر ہوگی۔ سہیل صاحب کی یہ خدمت ان کے صفِ نشینوں کے لیے باعثِ نازش، طبقہٴ علماء (جو تھل کا وقت گزار رہا ہے) کے لیے محرکِ ماتم و بکاء ہے۔ نگارش کے جتن جتن مطالعہ کے بعد جو تاثر اُبھر آیا، اسے بلا کم و کاست نوکِ قلم سے کاغذ پر احقر نے جمایا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ

وَاَنَا لَاحْقَرُ الْاَفْقَرِ

محمد انظر شاہ الکشمیری المسعودی

۲۷/ اپریل ۱۹۹۵ء

مقدمہ

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی

استاذ حدیث و مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ سَيِّدِ
الْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ، أَمَا بَعْدُ :

اسلامی احکام و مسائل کا ثبوت قرآن میں سے ہوتا ہے یا رسول خدا ﷺ کی
سنتِ ثابتہ سے یا امت و وسط و عدل کے اجماع سے۔ یا کسی مسئلہ سے متعلق صالحین کے
استنباطات و قیاسات کی جانب رجوع کیا جاتا ہے۔ شرعی مسائل و معاملات کے بارے
میں امت کے سوا ادا اعظم کا یہی رویہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے معلوم و متعارف چلا
آ رہا ہے، جس سے اعراض و انحراف بلاشبہ گمراہی کی راہ ہے۔ جس پر کتاب و سنت میں
نہایت شدید وعیدیں آتی ہیں۔

اس لیے اسلامی احکام میں وہی بحث و تحقیق معتبر اور قابلِ اعتماد ہوگی، جو ان
مصادرِ اربعہ سے ماخوذ و موید ہو۔ زانی مھن کی ”سزائے جرم“ بھی ایک خالص اسلامی
قانون ہے، جس پر غور و فکر، بحث و تحقیق قرآن و سنت، اجماعِ امت اور قیاسِ مجتہدین
ہی کی روشنی کھی جائے گی۔ اور ان مصادرِ شرعیہ سے ثبوت فراہم ہو جانے کے بعد اس
کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہی ایک سچے بچے کے مسلمان کی شان ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں
کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہدِ خیر و صداقت سے لے کر (بجز چند راہِ صواب سے بھٹکے
ہوئے فرقوں کے) پوری امت مسلمہ شادی شدہ زانی کے جرم پر متفق و متحد ہے۔ مشہور
مفسر علامہ سید محمود آلوسی اپنی محققانہ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

((وَقَدْ أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ وَمَنْ تَقَدَّمَ مِنَ السَّلَفِ وَعُلَمَاءِ الْأُمَّةِ وَأَيْمَةَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى أَنَّ الْمُخْصِنَ يُرْجَمُ بِالْحِجَارَةِ حَتَّى يَمُوتَ، وَانْكَارُ الْخَوْرِجِ ذَلِكَ بَاطِلٌ لِأَنَّهُمْ أَنْكَرُوا حُجَّةَ إِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ فَجَهَلُ مُرَكَّبٌ - وَإِنْ أَنْكَرُوا وَقُوَعَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لِانْكَارِ حُجِّيَةِ خَبْرِ الْوَاحِدِ فَهُوَ بَعْدُ يُطْلَانَهُ بِالذَّلِيلِ ، لَيْسَ مِمَّا نَحْنُ فِيهِ لِأَنَّ ثُبُوتَ الرَّجْمِ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مُتَوَاتِرٌ الْمَعْنَى كَشُجَاعَةِ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللَّهُ تَعَالَى وَجْهَهُ ، وَجُودِ حَاتِمِ ، وَالْإِحَادُ فِي تَفْصِيلِ صُورِهِ وَخُصُوصِيَّاتِهِ ، وَهُمْ كَسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ يُوجِبُونَ الْعَمَلَ بِالْمُتَوَاتِرِ مَعْنَى كَالْمُتَوَاتِرِ لَفْظًا - إِنَّ انْحِرَافَهُمْ عَنِ الصَّحَابَةِ وَالْمُسْلِمِينَ وَتَرَكَ التَّرَدُّدِ إِلَى عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِينَ وَالرُّوَاةِ أَرْفَعَهُمْ فِي جِهَالَاتٍ كَثِيرَةٍ لِخِفَاءِ السَّمْعِ عَنْهُمْ وَالشُّهْرَةِ)) ۱

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہم سے پیشرو سلف صالحین، علماء امت اور آئمہ اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ خوارج کا اس مسئلہ میں انکار یکسر باطل ہے۔ کیونکہ اگر وہ اجماع صحابہ کی حجیت کے منکر ہیں تو یہ جہل مرکب ہے۔ اور اگر وہ رسول اللہ ﷺ سے رجح کے ثبوت کو بایں وجہ انکار کرتے ہیں کہ یہ ثبوت خبر واحد سے ہے، تو ان کا یہ موقف ہی باطل ہے۔ علاوہ ازیں مسئلہ زیر بحث کا تعلق خبر واحد سے نہیں ہے، کیونکہ رجح کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے معنی متواتر ہے۔ جس طرح علی مرتضیٰ زین العابدین کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت کا ثبوت تواتر معنوی سے ہے۔ اگرچہ ہر واقعہ کی صورتیں اور تفصیلات متواتر نہیں ہیں۔ اور عام مسلمانوں کی طرح

خارجی بھی متواتر معنوی پر عمل اسی طرح ضروری سمجھتے ہیں جس طرح متواتر لفظی واجب العمل ہے۔ مگر صحابہ اور عام مسلمانوں سے خارجیوں کے الگ تھلگ رہنے اور علماء مسلمین و حدیث کے راویوں کے پاس آمد و رفت نہ رکھنے کی بناء پر وہ بہت سی جہالتوں میں جا گرے تھے، کیونکہ حدیث اور دینی باتوں سے ان کے کان نا آشنا اور مشہور احادیث و مسائل کی شہرت ان پر مخفی رہی۔“

علامہ آلوسی کے علاوہ محقق ابن ہمام حنفی، مشہور فقیہ و شارح حدیث شیخ محی الدین نووی شافعی، امام موفق ابن قدامہ مقدسی حنبلی، حافظ ابوالولید ابن رشد مالکی، امام ابن حزم ظاہری وغیرہم محققین علماء کبار نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں مسئلہ زیر نظر کے متعلق اجماع امت کا ذکر کیا ہے۔ ۱۰

اس موقع پر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ زانی محسن کے رجم پر نہ صرف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اتفاق اجماع ہے بلکہ اس مسئلہ میں تورات کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ اور تورات کے وہ فیصلے جن کا انجیل میں صریح الفاظ سے رد نہ کر دیا گیا ہو، وہ نصاریٰ کے ہاں بھی حجت ہوتے ہیں اور انجیل میں اس طرح کی ممانعت ثابت نہیں۔ اس لیے تورات کا یہ فیصلہ یہود و نصاریٰ دونوں فرقوں کے نزدیک مقبول و معمول ہے۔

اور خود قرآن کریم نے تورات کو ”حکم اللہ“ قرار دے کر اس کی صداقت و حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے (اگرچہ یہود و نصاریٰ اسے نہ بھی مانتے ہوں) چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَكَيْفَ تَحْكُمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ

مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۗ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ [المائدہ: ۴۳]

”اور وہ آپ کو کیسے منصف بنا سکتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت ہے، جس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔ (اور اسے یہودی خوب جانتے ہیں) مگر اس (حکم رجم) سے وہ پھر رہے ہیں۔ اور (اصل بات یہ ہے کہ) ان میں ایمان ہی نہیں ہے۔“

۱۰ فتح القدر شرح ہدایہ ص: ۱۲، ج: ۵۔ شرح مسلم النووی ص: ۶۵، ج: ۲۔ المغنی

ص: ۱۷۵، ج: ۷۔ ہدایۃ المحدث ص: ۱۲۶، ج: ۲۔ المحلی ض: ۲۴۱، ج: ۱۱

اور اہل علم جانتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے مقدمہ زنا سے متعلق ہے۔ موجودہ بائبل میں بھی اس کی تحریف کے باوجود جم کا حکم موجود ہے۔ کتاب استثناء میں ہے:

((وَإِذَا كَانَتْ فَتَاةٌ عَذْرَاءٌ مَخْطُوبَةٌ لِرَجُلٍ فَوَجَدَهَا رَجُلٌ بِالْمَدِينَةِ فَاضْطَجَعَ مَعَهَا فَأَخْرَجُوهُمَا كِلَيْهِمَا مِنَ الْمَدِينَةِ وَأَرْجُمُوهُمَا بِالْحِجَارَةِ حَتَّى يَمُوتَا ، الْفَتَاةُ مِنْ أَجْلِ أَنَّهَا لَمْ تَصْرُخْ فِي الْمَدِينَةِ وَالرَّجُلُ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ أَذَلَّ امْرَأَةً صَاحِبِهِ فَيَنْتَزِعُ اللَّهُ مِنَ الْمَدِينَةِ))

لے نظریہ الی العقوبة فی الاسلام از فضیلة الاستاذ الشیخ ابو زهره ، ملاحظہ ہو: کتاب المؤمن

الرابع للمجمع البحوث الاسلامیہ رجب ۱۳۸۸ھ ، ص: ۱۸۷

نوٹ..... کتاب طذا (انکار جم)..... ایک فکری گمراہی کے دقیق نظر سے مطالعہ کے نتیجے میں واضح ہوتا ہے کہ پروف کی غلطیاں بہت رہ گئی ہیں۔ یہاں عربی میں ترجمہ شدہ تورات کے جس حصہ کو نقل کیا گیا ہے اس کے انگریزی اور اردو عبارتوں سے موازنہ کے ساتھ یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ انگریزی میں ہے:

When a man is surprised abed with a married woman, they shall both die, the man who lay with the woman and the woman too, you shall wipe out the evil from israel.

when a man comes upon a girl in the city, who is a virgin betrothed to another, and he lies with her, you shall bring them both to the gate of the city and stone them to death, the girl because she did not cry out, although the city was all about her, and the man because he violated his neighbour's wife, you shall purge such evil from among you.

[Holy Bible, Chapter, 22 the book of Deuteronomy, p=160 placed by the Gideons]

اور اردو میں یوں:

”اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں۔ یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دُفع کرنا۔ اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم اُن دونوں کو اُس شہر کے پھاٹک پر نکل لانا اور اُن کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مرد جا میں لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اُس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسا برائی کو اپنے درمیان سے دُفع کرنا۔“

[پرانا دنیا عہد نامہ مطبوعہ بائبل موسائی، انارکلی، لاہور۔ کتاب استثناء، باب ۲۲]..... ایوبی

”اگر کنواری لڑکی کسی کے رشتہ نکاح میں منسوب ہو اور کوئی دوسرا شخص اسے شہر میں پا کر اس کے ساتھ صحبت کرے، تو ان دونوں کو شہر سے باہر نکالو اور ان میں سنگسار کرو، یہاں تک کہ دونوں مرجائیں۔ لڑکی اس لیے کہ اس نے شہر میں ہوتے ہوئے شور نہیں مچایا اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ساتھی کی بیوی کی چادر عصمت چاک کی۔ پس شر و برائی کو اس طرح شہر سے دور کیا جائے۔“

چونکہ یہ مسئلہ خود نبی کریم ﷺ کی احادیث سے بطور تواتر معنوی کے ثابت ہے، اس لیے اس باب میں اختلاف کی گنجائش ہی کیا تھی؟ اس لیے عہد صحابہ سے امت اس پر متفق و متحد جلی آ رہی ہے۔ شیخین رضوان اللہ علیہما کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی، خلیفہ رابع حضرت علی مرتضیٰ اور دیگر مزید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی رجم کا قول و عمل صحیح روایات سے ثابت ہے۔ (۱) جس سے پتہ چلتا ہے کہ رجم پر عمل آنحضرت ﷺ کے بعد حضرات صحابہ تبع تابعین میں جاری و ساری تھا۔ ”وکفی بہم قدوة“ حضرات صحابہ والد ہلف سے اجماع و تورات کے ثبوت کے بعد ایک مخلص مومن کے لیے مزید کسی دلیل و حجت کی ضرورت نہیں رہتی، پھر بھی مزید وضاحت اور تکمیل بحث کی غرض سے ان احادیث معروذہ کی نشاندہی کی جاتی ہے جو کتب حدیث میں صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں۔ چونکہ یہ مختصر تحریر ان احادیث کے حرف بہ حرف نقل کی متحمل نہیں ہے اس لیے اس موقع پر صرف ان کتابوں کے حوالے ذکر کیے جا رہے ہیں۔ جس میں یہ احادیث نقل کی گئی ہیں۔

اسماء صحابہ جنہوں نے زانی محسن کو رجم کرنے کا حکم یا عمل کیا ہے

☆ حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی مرتضیٰ، عبداللہ بن ابی اوفی، جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، زید بن خالد رضی اللہ عنہم، ان مذکورہ حضرات صحابہ کی احادیث صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

☆ عبادہ بن صامت، سلمہ بن المہدیق، ابو ہریرہ، ہزال، جابر بن سمرہ، لجلانج، حضرت ابوبکر صدیق، بریدہ، ابو ذر غفاری، نصر بن دہر اسلمی، عمران بن الحصین، ابوبکرہ، ابوسعید الخدری، نعمان بن بشیر، براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے روایات مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں منقول ہیں۔

☆ ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث کی تخریج امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں کی ہے۔

☆ قبیصہ بن حریش، انس بن مالک، عجماء، سہیل بن سعد، عبداللہ بن الحارث بن الجعد رضی اللہ عنہم کی روایات علامہ شمس کی مجمع الزوائد میں منقول ہیں۔

☆ وائل بن حجر سے روایت جمع الفوائد میں ہے۔

☆ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث مشکوٰۃ المصابیح میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ چھ کتب حدیث سے پینتیس حضرات صحابہ سے مروی روایات کا اجمالی ذکر ہے۔ مزید تلاش و جستجو سے دیگر اور صحابہ کی احادیث مل سکتی ہیں۔ کیا ان احادیث کثیرہ کے باوجود بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ رجم سے متعلق احادیث خبر آحاد ہیں۔ اس لیے ان کے ذریعہ کتاب اللہ کے حکم:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾

”زانیہ اور زانی ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔“

پر زیادتی از روے اصول و قواعد درست نہیں ہے۔

کیونکہ یہ احادیث تعدیلِ ہرق و کثرت اسناد کی بناء پر تو اتر معنوی کی حد میں داخل

ہیں اور تو اتر معنوی سے کتاب اللہ پر زیادتی فقہائے اعصار کے نزدیک متفقہ طور پر صحیح و درست ہے۔

افسوس کہ اپنی مصروفیات اور خود جس مقصد کے لیے یہ تحریر قلم بند کی جا رہی ہے، اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی جائے، ورنہ بتایا جاتا ہے کہ مولانا عنایت اللہ سبحانی نے اپنی تازہ تصنیف اور حقیقتِ رحم میں علمی دیانت و امانت کا کس طرح گلا گھونٹا ہے اور اپنی کھلی تحریفات و تلبیسات کے ذریعہ ایک ایسے شرعی حکم سے جو تو اتر معنوی اور اجماع و تواتر سلف و خلف سے ثابت شدہ ہے کا انکار کر کے صحابہ کرام، سلفِ صالحین، ائمہ مجتہدین، کبار محدثین کی جماعت سے الگ خوارج و معتزلہ کی راہ اختیار کی ہے۔ جسے گمراہی نہ سمجھنا بجائے خود ایک گمراہی ہے۔ جس کتاب کے مقدمہ کے اوپر یہ تحریر سر و قلم کی جا رہی ہے، اس میں رحم کے ثبوت اور عنایت اللہ سبحانی صاحب کے پیش کردہ دلائل پر خاصی تفصیل موجود ہے۔ اس لیے بھی اس مقدمہ میں مزید بحث تکرار مخمل ہوگی۔

سبحانی صاحب کے بے باک و گستاخ قلم نے صحابی رسول کے تقدس و عظمت کا جس طرح عامیانا مذاق اڑایا ہے، اسے پڑھ کر تو ایک مومن صادق کا دل لرز اٹھتا ہے۔ جس کی مثال یہود و نصاریٰ کے ہاں بھی حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کے بارے میں شاید تلاش کرنے سے بھی نہیں ملے گی۔ ”العیاذ باللہ“

میں نے مسودہ کو جتہ جتہ مختلف مقامات سے دیکھا۔ ماشاء اللہ ابو عدنان سہیل نے اپنے اس شاہکار کو تراشنے میں کمال مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔ کتاب میں پیش کیے گئے دلائل و براہین کی نورانیت نے خود کتاب کو اس قدر تابناک بنا دیا ہے کہ پڑھنے سے قاری کے دل و دماغ منور ہو جاتے ہیں اور سبحانی صاحب کی پھیلائی ہوئی ظلمت کا نور ہو جاتی ہے۔

کتاب کا مسودہ جوں جوں پڑھتا گیا صل علیٰ مرحبا کا کلمہ بے ساختہ زبان سے نکلتا رہا اور اکثر آذر صاحب کے اس مسودہ کو دیکھ کر پورا اطمینان ہو گیا کہ سبحانی صاحب

اپنی تالیف میں جس قدر علم و دیانت اور شرافت و سنجیدگی کے پرزے اڑاتے ہیں
 علم و دیانت اور شرافت و سنجیدہ کا اس سے کہیں زیادہ پاس و لحاظ رکھا ہے اور
 بغیر کسی تردد کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ڈاکٹر سہیل صاحب کی یہ تصنیف ایک عمدہ،
 سنجیدہ اور علمی و تحقیقی کتاب ہے اور علمی و دینی حلقوں میں انشاء اللہ وقعت و قبولیت کی نظر
 سے دیکھی جائے گی۔

فَجَزَاهُ اللَّهُ عَنِّي وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِينَ جَزَاءً حَسَنًا
 ((اللَّهُمَّ آرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَآرِزُقْنَا اتِّبَاعَهُ، وَآرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَآرِزُقْنَا
 اجْتِنَابَهُ، وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ))

حبیب الرحمن قاسمی

خادم التدریس دار العلوم دیوبند

۲/۲۷ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ



مقدمہ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

انکارِ رجم اور تحقیقِ رجم ایک پرانی بحث ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے رجم کا انکار خوارج نے کیا۔ خوارج وہ فرقہ تھا جو واقعہ تکبیر کے بعد حضرت علی اور حضرت معاویہؓ سے ناراض ہو گیا اور دونوں کے خلاف برسرِ پیکار ہو گیا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس سے لوہا لیا تھا۔ یہ فرقہ قرآن کریم کی حجیت کا تو قائل تھا، مگر سنتِ نبوی اور عمل صحابہ کو بس برائے نام ہی حجت مانتا تھا۔

آنحضور ﷺ کے زمانہ سے برابر محسن لہ زنا کار مردوزن کو سنگسار کیا جاتا رہا ہے، مگر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا زمانہ آیا اور آپ نے رجم کیا تو خارجی ذہنیت رکھنے والے قوموں نے سوال اٹھایا کہ: ”قرآن میں رجم کا حکم نہیں ہے۔“ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ نماز کی رکعتوں کی تعداد کا ذکر قرآن میں کہاں ہے؟ اور زکوٰۃ کی مقدار کا بیان قرآن کریم میں کہاں ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ باتیں سنتِ نبوی اور تعاملِ مسلمین سے ثابت ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رجم بھی سنتِ نبوی اور تعاملِ مسلمین سے ثابت ہے۔ تو وہ کہے کہے رہ گئے۔

اس فقہ کی پیشین گوئی اس کے ظہور سے بہت پہلے حضرت عمرؓ فرما چکے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

((أَخْشَىٰ أَنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ: وَاللَّهِ مَا نَجِدُ آيَةَ

لہ مرد کو محسن (ساد کے زیر کے ساتھ باب افعال سے اسم فاعل) اور عورت کو محصنہ (ساد کے زیر کے ساتھ اسم مفعول) کہتے ہیں۔ جن میں چھ باتیں پائی جائیں، وہ محصنہ و محصنہ کہلاتے ہیں۔ یعنی مسلمان، آزاد، عاقل اور بالغ ہوں اور نکاح صحیح کر کے مباح ہم بستری کر چکے ہوں۔ ۱۲۰ منہ

الرَّجْمِ فِي كِتَابِ اللَّهِ ، فَيَضْلُوا بِتَرْكِ فَرِيضَةِ أَنْزَلَهَا اللَّهُ))^۱
 ”مجھے اندیشہ ہے کہیں آگے چل کر کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ ہم قرآن میں رجم کا حکم نہیں پاتے ، پس وہ ایک ایسے شرعی حکم کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائے ، جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔“ (پھر معتزلہ اس کو لے اڑے۔)

چنانچہ ایسا ہی ہوا ، پہلی صدی ختم ہونے سے پہلے خوارج نے یہ شوشہ چھوڑ دیا ، پھر معتزلہ اس کو لے اڑے اور آج تک برابر یہ بحث چل رہی ہے اور کسی بھی دلیل سے مریض ذہنیت مطمئن نہیں ہوئی۔ مسئلہ پر بحث کا یہاں موقعہ نہیں۔ اکابر علماء نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ میرے علم کی حد تک اُردو میں اس موضوع پر سب سے جامع اور تحقیقی کتاب حضرت مولانا ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی (پاکستان) کی کتاب ”تحقیق رجم“ ہے۔ شائقین اس کا مطالعہ کریں جو پاکستان سے شائع ہوئی ہے۔

یہ کتاب جو جناب ڈاکٹر سہیل صاحب کی ایک وقیع تصنیف ہے ، قارئین کو مسئلہ سمجھنے میں ان شاء اللہ مدد دے گی۔ اس میں منکرین رجم کے دلائل کا تعاقب ہے۔ انداز بیان سلجھا ہوا ، سنجیدہ اور سلیس ہے اور سبحانی صاحب کے دلائل کی خوبی قلعی کھولی ہے۔ میں نے مختلف جگہ سے اس کا مسودہ پڑھا ہے اور میں فضل خداوندی سے امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب قارئین کرام کو بہت پسند آئے گی اور امت کو اس سے فیض پہنچے گا۔

والسلام

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند

۱۸ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ

۱ بخاری شریف کتاب الحدود ، باب رجم الجلی (فتح ، ج ۱۱۲ / ص : ۱۴۴)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پیش لفظ

عرصہ دراز سے معاندین اسلام، خصوصاً مستشرقین یورپ کی یہ کوشش رہی ہے کہ اسلام کو کمزور کیا جائے۔ نام نہاد علمی تحقیق اور فلسفیانہ موشگافیوں کے ذریعہ اسلام کے مسلمات کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے ہیں اور خود مسلمانوں میں ایک ایسا جدید تعلیم یافتہ طبقہ پیدا کیا جائے، جو ان کے افکار و خیالات کی نہ صرف ترجمانی کرتا ہو بلکہ اسلام کو نیا و نیا بن سے اکھاڑ پھینکنے کی ان کی مہینہ ”علمی کاوشوں“ میں ان کا مدد و معاون ہو..... حقیقت یہ ہے کہ ان مستشرقین نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی نفسیات کا جس قدر گہرائی سے مطالعہ کیا ہے ہم نے اس تناسب سے ان کی ذہنیت کو نہیں پرکھا۔ اس کے برخلاف ہم مغربی اقوام اور ان کے افکار و خیالات سے ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے ان کے خیالات سے دانستہ یا نادانستہ طور پر متاثر و مرعوب ہوتے رہے ہیں۔ انجام کار ہم مسلمانوں میں آئے دن کوئی نہ کوئی ”ذی علم“ شخصیت اسلاف کی اسلامی خدمات کی بے لوث کوششوں کے علی الرغم..... علم و تحقیق کے نام پر، اسلام کے اجماعی مسائل پر حرف زنی اور شکوک و شبہات کا اعلان کرتی نظر آتی ہے۔

ریسرچ اور ”علمی تحقیق“ کے نام پر مستشرقین یورپ نے ہمیشہ اسلام کے سرچشمہ قوت اور اس کی مبادیات کو اپنا ہدف بنایا ہے۔ ان میں سرفہرست قرآن و سنت اور رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے..... قرآن و سنت کے بعد چونکہ ”اجماع امت“ بھی دین کے بنیادی ستونوں میں شمار ہوتا ہے اس لیے لازمی طور پر اس پر بھی تحقیق و تفتیش کا تیشہ چلانا اور عوام الناس کو تشکیک و تردد میں مبتلا کرنا ان کا اور ان کے تبعین یعنی جدید دور کے نام نہاد ”محققین اسلام“ کا لازمی ہدف ٹھہرا.....!

سزائے رجم بھی شریعت کا ایک اجماعی مسئلہ ہے، جس پر آج کل برصغیر ہندو پاک کے ”فراہی فکر“ سے متاثر حضرات کی طرف سے بے ضرورت اور بلاوجہ تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبجانی کی حال ہی میں منظر عام پر آنے والی کتاب ”حقیقتِ رجم“ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جماعت اسلامی ہند کے سابق امیر جماعت مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی مرحوم کے خاندان سے متعلق ہونے اور خود بھی عرصہ دراز سے جماعت اسلامی سے قریبی تعلق رکھنے کے باوجود موصوف نے سزائے رجم جیسے اجماعی مسئلہ پر قلم اٹھانے سے پہلے شاید یہ جاننے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ اس مسئلہ پر مولانا مودودی جیسی ”صاحب الرائے“ شخصیت کے اس ضمن میں کیا خیالات ہیں؟ حالانکہ مولانا مودودی جو اکثر دینی مسائل میں اپنے تفرد اور بے باک تنقیدی خیالات کے سلسلے میں ہدفِ ملامت بننے کی پروا نہیں کرتے اور اپنی دانست میں کسی بھی علمی اور ذہنی مسئلہ پر پوری طرح تحقیق و جستجو اور مطالعہ و معلومات فراہم کرنے کے بعد ہی اظہار خیال کے عادی ہیں..... یہ الگ بات ہے کہ ان کے معاصرین اور معاندین ان کے افکار و خیالات سے اتفاق نہ رکھتے ہوں..... اپنے تمام تر ذہنی تفرد اور آزادانہ اندازِ فکر کے باوجود، سزائے رجم کے سلسلے میں مولانا مودودی نے مشاہیر امت کی اجماعی روش سے سرمو بھی ہٹنے کی جرأت نہیں کی ہے۔

سزائے رجم کے سلسلے میں دیگر اسلافِ امت کی طرح مولانا مودودی کا بھی یہی موقف ہے کہ شریعت نے ”غیر محسن“ یعنی کنوارے اور ”محسن“ یعنی شادہ شدہ زنانی کے اقدامِ زنا کے سلسلے میں، اول الذکر کو محض کوڑوں کی سزا اور ثانی الذکر کو رجم یعنی سنگسار کرنے کی سزا میں اس لیے تفریق کی ہے کہ شادی شدہ افراد کو اپنے شہوانی جذبات کی تسکین کے لیے شرعی اور قانونی طور پر اپنے زوج کی صورت میں ایک جائز ذریعہ میسر

۱۔ ملاحظہ ہو: تفہیم القرآن ج : ۱۳ ص : ۳۲۷ ، تفسیر سورہ نور اور جلد اول صفحہ نمبر: ۳۳۲
تفسیر سورۃ النساء حاشیہ نمبر : ۶۶

ہونے کے باوجود ان کا زنا کا مرتکب ہونا نہ صرف یہ کہ ان کی خباثتِ نفس کی دلیل ہے بلکہ ایسے افراد اسلامی معاشرہ کی پاکیزہ فضا اور ماحول کو مسموم اور پراگندہ کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے افراد سے اسلامی معاشرہ کو پاک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی ایک لخت گردن مار کر ہلاک کرنے کے بجائے معاشرہ میں اسی قسم کے رجحانات رکھنے والے دیگر افراد کی عبرت و نصیحت کے لیے ان کو برسرِ عام رجم یعنی سنگسار کر دیا جائے.....!! اس کے برعکس غیر شادی شدہ افراد کا فعل زنا ایک قبیح فعل ہونے کے باوجود اسلام کا حراجِ عدل ان کے لیے رجم کے بجائے محض کوڑوں کی سزا پر اس لیے اکتفاء کرتا ہے کہ ایسے لوگ جو نفسِ امارہ کے شدید داعیہ اور شیطانی ترغیبات سے مغلوب ہو کر وقتی طور پر زنا کے فعل کے مرتکب ضرور ہوئے ہیں، تاہم ان کے شہوانی جذبات کی تسکین کے لیے چونکہ ان کو شرعی اور قانونی ذریعہ فی الوقت میسر نہیں تھا، اس لیے ان کی یہ لغزش زنا اپنی تمام تر قباحتوں کے باوجود، ان افراد معاشرہ کی ہولناکی اور خباثتِ نفس کے برابر نہیں ہو سکتی جو شادی شدہ ہونے کے باوجود فعل زنا کے ذریعہ معاشرہ میں گندگی پھیلانے کا باعث ہوتے ہیں۔ غیر شادی شدہ افراد کا فعل زنا ان کے شہوانی جذبات سے مغلوبیت اور ذریعہ تسکینِ جذبات میسر نہ ہونے کا شاخسانہ ہوتا ہے اور شادی شدہ افراد کا یہی فعل جذباتی مغلوبیت کے بجائے ان کی خباثتِ نفس اور ذہنی بے راہ روی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لیے اول الذکر قسم کے افراد اسلام کے نظامِ عدل کے مطابق نسبتاً نرمی کے مستحق ہیں، جبکہ دوسرے قسم کے افراد معاشرہ کے لیے ایک گندے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کو معاشرہ کے جسم سے کاٹ کر علیحدہ کر دینا ہی عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ اور اول الذکر افراد کا برائے تمبیہ صرف کوڑوں کی سزا دے کر چھوڑ دینا ان کو راہِ راست پر لانے کے لیے کافی ہے.....!

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زنا بعد احسان یعنی شادی شدہ افراد کے ارتکاب زنا کی سزا کے بارے میں قرآن مجید میں واضح طور پر احکام موجود نہیں ہیں۔ تاہم بکثرت معتبر روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف قولاً بلکہ عملاً

سزائے رجم نافذ کی ہے۔ پھر آپ کے بعد چاروں خلفاء راشدین نے اپنے اپنے دور میں یہی سزا نافذ کی اور اسی کے قانونی سزا ہونے کا بار بار اعلان کیا ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین میں یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ تھا۔ قرن اول میں کسی کو بھی رجم کی سزا کے ثابت شدہ حکم شرعی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ اس سزا کے سخت ثابتہ ہونے پر دور صحابہ سے اب تک تمام زمانوں اور ملکوں کے فقہائے اسلام اس پر متفق رہے ہیں۔ امت کی پوری تاریخ میں سوائے خوارج اور معتزلہ کے کسی نے رجم کی سزا سے انکار نہیں کیا ہے.....!

رجم کی قولی اور عملی احادیث چھتیس ۳۶ کبار صحابہ کرام سے مروی ہیں اور یہ صحابہ کرام ایسے رتبہ کے مالک ہیں کہ بقول علامہ ابن حزم ان میں سے دو یا تین کی روایت بھی کسی حدیث کو تو اتر کی حد تک پہنچانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ لہ آپ حدیث کے سارے ذخیرہ کو کھنگھال لیجیے رجم کے خلاف کسی ایک بھی صحابی رسول سے کوئی قول نہیں ملے گا.....!

اجماع امت کے علی الرغم عنایت اللہ سبحانی صاحب نے اپنی کتاب ”حقیقت رجم“ میں، مولانا فراہی کی اتباع کرتے ہوئے سزائے رجم کے سلسلے میں سورہ مائدہ کی آیت مبارکہ کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے حمارین اور مفسدین کے لیے بے لڑہ خیز سزائے آئی ہے کہ:

”انہیں عبرت ناک طریقے سے قتل کر دیا جائے یا انہیں درخت کے تنوں میں کیلوں سے ٹھونک دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے (یعنی ایک دوسرے کے مخالف) کاٹ دیئے جائیں یا انہیں وہاں سے کہیں دور پھینک دیا جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے ہولناک عذاب ہے۔“

عنایت اللہ سبحانی صاحب نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے رجم کو ”غنڈہ گردی“ کی سزا قرار دیا ہے اور اس بات پر زور قلم صرف کیا ہے کہ عہد رسالت یا عہد خلافت راشدہ میں جن لوگوں کو رجم کیا گیا وہ زنا کے جرم میں ایک بار نہیں، کئی کئی بار لے دیکھے سزائے رجم قرآن و سنت کی روشنی میں..... پروفیسر ساجد الرحمن صدیقی ص: ۱۱۵، ۱۱۶ (مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی)

۵ سورہ مائدہ آیت نمبر: ۳۳

ماخوذ ہوئے تھے اور وہ سب شادی شدہ نہیں بلکہ بہت سے غیر شادی شدہ بھی تھے اور انہیں رجم، خود انہیں پاک کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان سے سماج کو پاک کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ اسے اپنی اس کتاب میں عنایت سبحانی صاحب نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ ماعزِ اسلمی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دو در رسالت میں جن کو بھی رجم کیا گیا، ان میں سے کسی کے صحابی یا صحابیہ ہونے کی کوئی مضبوط دلیل نہیں بلکہ ایسے لوگوں کو صحابی یا صحابیہ کہنا صحابیت کے بلند مقام سے بے خبری کی دلیل ہے۔ ۱۷

موصوف نے اپنی اس کتاب ”حقیقتِ رجم“ میں صرف اس بات پر بس نہیں کیا ہے کہ ماعزِ اسلمی اور دو در نبوت کے دیگر رجم کی سزا پانے والے اشخاص کو شرف صحابیت سے محروم کر کے خاموش ہو گئے ہوں، بلکہ آگے بڑھ کر جرأت بے جا سے کام لیتے ہوئے اس نے ماعزِ اسلمی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو منافق اور بر ملا ”غنڈوں کی صف“ میں شمار کر ڈالا ہے۔ ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

”یہاں یہ بات بھی عجیب ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ رجم غنڈہ گردی کی سزا ہے تو اس سے لوگوں کے جذبات برا بیچتے ہو جاتے ہیں کہ اس سے تو ماعزِ اسلمی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی غنڈوں کی صف میں آ جاتے ہیں۔“ ۱۸

آخر میں ”خلاصہ بحث“ کے عنوان سے موصوف نے انکارِ سزائے رجم محسن کے موقف کو مختصر الفاظ میں چند نکات میں سمیٹ کر بیان کیا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

اسلام میں حدِ زنا کے سلسلے میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ ان دونوں کے لیے شریعت میں ایک ہی حد ہے اور وہ ہے سو (۱۰۰) کوڑے۔

رجم حدِ زنا نہیں ہے بلکہ مفسدین اور محاربین کی سزا ہے۔ اس کے حدِ زنا ہونے پر

۱۷ حقیقتِ رجم (عنایت اللہ سبحانی ص: ۲۸۰)

۱۸ انصاف، ص: ۲۸۰، ۲۸۱

۱۹ حقیقتِ رجم (عنایت اللہ سبحانی ص: ۲۳۶)

اجماع کا دعویٰ غلط ہے اور تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔

☆ قرآن پاک میں سو کوڑوں کی سزا شادی شدہ زانیوں کے ہی پس منظر میں بیان کی گئی ہے۔ لہذا اس کو غیر شادی شدہ زانیوں کے ساتھ خاص کر دینا بالکل ہی الٹی بات ہوگی۔

☆ اس سلسلے میں قرآن پاک سے جو حکم ملتا ہے، صحیح احادیث سے بھی وہی حکم ثابت ہے۔ قرآن و حدیث میں اس باب میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ تعارض جو کچھ ہے وہ ہمارے سمجھنے میں ہے۔

☆ قرآنی آیات اس سلسلے میں نہایت واضح اور صریح ہیں۔ وہ اس سلسلے میں نہ کسی تہمین کی محتاج ہیں اور نہ کسی تخصیص کی متحمل ہیں۔ لہ

آئندہ صفحات میں انشاء اللہ العزیز موصوف کے ان دعاوی کا مختصر سا جائزہ قارئین کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ ہمیں توقع ہے کہ قارئین ہماری معروضات پر سنجیدگی سے غور و فکر کریں گے۔

ناسپاسی ہوگی اگر آخر میں ان مخلص احباب اور کرم فرماؤں کا شکر یہ ادا نہ کیا جائے، جن کی تحریک اور مخلصانہ تعاون کے نتیجے میں ہم اپنی یہ کاوش ہدیہ ناظرین کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں خاص طور پر ہم اپنے مخلص اور دیرینہ کرم فرما جناب ڈاکٹر احمد سعید خاں صاحب، نیجنگ ڈائریکٹر، ”امریا فارمیسی“ امریا پبلی پھیت اور محبت محترم ڈاکٹر عبدالجبار صاحب ڈانگ ضلع پبلی پھیت کے بے حد ممنون و مشکور ہیں، جن کی تحریک اور اصرار پر پیہم کے نتیجے میں ہمیں یہ کتاب لکھنے کی توفیق ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ ہم جناب ڈاکٹر نور الاسلام صدیقی برادر جناب ڈاکٹر طاہر الاسلام صاحب اور محترمہ جناب ڈاکٹر زینب صاحبہ ایم، بی، بی، ایس، ڈی، جی، او سبئی کے بھی بے حد شکر گزار ہیں، جنہوں نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت میں اپنے تعاون اور قیمتی مشوروں سے نوازا ہے۔ ان کے علاوہ اپنے شاگرد رشید عزیز، ڈاکٹر شیخ علاؤ الدین علی عباس سلمہ کی اس

لے حقیقتِ رجم (عنایت اللہ سبحانی ص: ۲۳۶)

کتاب کی ترتیب و اشاعت میں غیر معمولی دلچسپی اور تگ و دو کا بھی خلوص دل سے اعتراف کرتا ہوں۔ رب العزت انہیں جزاء خیر عطا فرمائے۔ آمین

آخر میں استدعا ہے کہ اس کتاب کے دوران مطالعہ جہاں کوئی خامی یا کوتاہی محسوس فرمائیں، اس کی اصلاح اور نشاندہی فرمادیں۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح اور تدارک کیا جاسکے۔ ہم نے اس کتاب میں شروع سے آخر تک یہی کوشش کی ہے کہ تنقید و تعاقب کے دوران ہماری زبانِ قلم سے کسی طرح کی کوئی تلخ یا دل آزار بات، جارحیت اور بے اعتمادی کا مظاہرہ نہ ہونے پائے۔ ہم نے حتی الامکان اپنی تحریر میں توازن، متانت اور حفظِ مراتب کا خیال رکھنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم اگر نادانستگی میں ہمارے قلم سے کوئی نازیبا بات یا نامناسب جملہ فریقِ مقابل کے لیے نکل گیا ہو تو ہم اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ ہمارا مقصد کسی کی توہین یا تنقیص ہرگز نہیں ہے بلکہ اعلاء کلمۃ الحق اور دفاعِ عن الدین کے جذبہ کے تحت ہی یہ ساری خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین۔

ابوعدنان سہیل

سابق لیچرر جامعہ طیبہ دیوبند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فصل اول

شریعتِ اسلامیہ اور نفاذِ حدود!

حد کا مفہوم

عربی لغت کے مطابق ”حد“ دو چیزوں کے درمیان فصل پیدا کرنے والی چیز کو کہا جاتا ہے۔ سید مرتضیٰ زبیدی بگڑی کے خیال کے مطابق کسی چیز کے منہا کو بھی ”حد“ کہتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی کے بقول ”حد“ دو چیزوں کے درمیان اس عاجز اور مانع کو کہا جاتا ہے جو عاجز اور مانع ان چیزوں کے درمیان اختلاط کو روکتا ہو۔ چنانچہ حد الزنا والخمر کی حد کو اسی لیے ”حد“ کہا جاتا ہے کہ وہ مرتکب زنا والخمر کو معاودہ سے روکتی ہے۔

”رد المحتار“ میں حد کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

((الْحَدُّ لُغَةً الْمَنْعُ وَشَرْعًا عُقُوبَةٌ مُّقَدَّرَةٌ وَجَبَتْ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالَى زَجْرًا فَلَا تَعْزِيرُ حَدٌ لِعَدَمِ تَقْدِيرٍ وَلَا قِصَاصٌ حَدٌّ لِأَنَّهُ حَقُّ الْمَوْلَى))

”حد لغت میں منع کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں حد وہ سزا ہے جس کی مقدار معین ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب کی گئی ہے تاکہ لوگوں کو ان جرائم سے باز رکھیں۔ تعزیر بھی حد نہیں کیونکہ اس کی مقدار نہیں اور قصاص بھی حد نہیں کیونکہ وہ مقتول کے وارث کا حق ہے۔“

فتاویٰ عالمگیری میں بھی حد کو ایک ایسی عقوبت کہا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حق کے واسطے ہو۔ اسی لیے قصاص اور تعزیر کو حد میں شمار نہیں کیا گیا، کیونکہ اول الذکر حق العبد

۱۔ ”محیط المحيط“ المعلم ہستانی ج نمبر: ۱ ص: ۳۵۸ (طبع بیروت ۱۸۷۰ء)

۲۔ ”تاج العروس“ سید مرتضیٰ زبیدی ج: ۲، ص: ۳۳۱ (طبع بیروت ۱۸۶۶ء)

ہے اور ثانی الذکر مقدر نہیں ہے۔

حد کی جمع حدود ہے۔ قرآنی اصطلاح میں حدود اللہ ان چیزوں کا نام ہے جن کا حلال و حرام ہونا واضح ہو۔ لہٰذا قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا ﴾ [البقرة: ۱۸۷]

”یہ احکام اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک بھی نہ جاؤ۔“

چنانچہ ”حد“ شریعت اس سزا کو کہتے ہیں، جو اللہ یا اس کے رسول ﷺ کی جانب سے مقرر کی گئی ہو۔ کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ کی تصریح کے مطابق وہ سارے جرائم جن پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بطور حق اللہ ایک سزا متعین کر دی ہو، نہ صرف وہ جرائم ہی حدود ہیں بلکہ ان کی سزائیں بھی حدود کہلائیں گی۔ جیسے حد السرقة اور حد الزنا وغیرہ۔ پھر سزائے حد کے حق اللہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سزا نہ تو معاف ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس میں کمی و بیشی یا رد و بدل کیا جاسکتا ہے اور اسی وجہ سے قصاص وغیرہ حدود سے خارج ہیں کہ اسے مجنی علیہ یا اس کے ورثاء معاف کر سکتے ہیں۔ لہٰذا

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ”حجة الله البالغة“ میں لکھتے ہیں:

”بعض معاصی کے ارتکاب پر شریعت نے حد مقرر کی ہے، یہ وہی معاصی ہیں جن کے ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلتا ہے۔ نظام تمدن میں خلل پیدا ہوتا ہے اور مسلم معاشرے کی طمانیت اور سکون قلب رخصت ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ معاصی کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ دو چار بار ان کا ارتکاب کرنے سے ان کی لت پڑ جاتی ہے اور پھر ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے معاصی میں محض آخرت کے عذاب کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا، بلکہ ضروری ہے

۱۔ ”لسان العرب“ ابن منظور فرقی ج نمبر: ۳، ص: ۱۳۰ (طبع بیروت ۱۹۹۵ء)

۲۔ کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ عبدالرحمن الجزیری ج: ۵، ص: ۴۹ (مطبوعہ

شرکت الطباعہ (مصر ۱۳۵۸ھ)

کہ ایسی عبرت ناک سزا مقرر کی جائے کہ اس کا مرتکب ساری زندگی معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور سوسائٹی کے دیگر افراد کے لیے سامانِ عبرت بنا رہے اور اس کے انجام کو دیکھ کر بہت کم لوگ اس قسم کے جرم کرنے کی جرأت کریں۔“ ۱۷

اقسامِ حدود

- وہ جرائم جن کے حدود ہونے پر جمہور فقہاء کو اتفاق ہے، وہ سات ہیں۔ اور سب کے سب قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ ۱۸
- ۱☆ حد زنا:..... (سورۃ النور آیت نمبر: ۲)
 - ۲☆ حد قذف:..... (سورۃ النور آیت نمبر: ۴)
 - ۳☆ حد محاربه (رہزنی):..... (سورۃ المائدہ آیت نمبر: ۳۳، ۳۴)
 - ۴☆ حد سرقت:..... (سورۃ المائدہ آیت نمبر: ۳۸)
 - ۵☆ حد خمر:..... (سورۃ المائدہ آیت نمبر: ۹۰)
 - ۶☆ حد بغاوت:..... (سورۃ الحجرات آیت نمبر: ۹)
 - ۷☆ حد ارتداد:..... (سورۃ البقرہ آیت نمبر: ۲۱۷)

شریعت میں نفاذِ حدود کی شرائط

اجرائے حد کے لیے شریعت نے جو شرائط ضروری قرار دی ہیں، ان میں ثبوت و شہادت میں انتہائی احتیاط برتنے کے علاوہ جس پر حد واقع ہو رہی ہو، اس کا صحیح عقل، تندرست اور سلیم البدن ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ اصول بھی متعین کر دیا گیا ہے کہ شک و شبہ کی حالت میں حد کا اجراء نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ یہ شریعت اسلامیہ کا عام قاعدہ ہے کہ شہادت سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، مگر اس قاعدہ کا کلی اطلاق تعزیرات پر

۱۷ حجة اللہ بالہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۷۵ء ج: ۴، ص: ۱۵۸)

۱۸ التعزیر الشرعی الاسلامی ڈاکٹر عبدالعزیز عامر ص: ۱۳

نہیں ہوتا۔ جدید قانون میں بھی شک کا فائدہ ملزم کو بطور استحقاق حاصل ہے۔ ملک کی اعلیٰ عدالتوں کے نظائر اس اصول کو بطور قانون پیش کرتے ہیں۔ اسلامی عدالت میں جرم قابل اجراء حد ”ثابت ہونے پر“ حد کی طرح ساقط نہیں ہوتی۔ شک و شبہ کے سبب سے حدود سے درگزر کیا جاسکتا ہے لیکن جرم ثابت ہونے کے بعد حد ساقط نہیں ہوتی۔

علامہ ابن حزم ظاہری اگرچہ شہادت کی وجہ سے اسقاط حد کے منکر ہیں لیکن بہت سی احادیث مرفوعہ، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہائے اسلام کے اتفاق سے ایسی حالت میں سقوط حد ثابت ہے۔ اس لیے علامہ ابن حزم کا انکار قابل التفات نہیں۔ بہت سے بہت ہم اسے ان کا مفرد کہہ سکتے ہیں۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”جامع ترمذی“ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ:

((اَدْرُوا الْحُدُودَ مَا شِئْتُمْ))

”یعنی حدود کو ٹالو جہاں تک ممکن ہو سکے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر میں شہادت کی وجہ سے حدود کو معطل کر دوں تو یہ میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں شہادت کے ہوتے ہوئے قائم کروں۔ حضرت معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعود اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب تجھے حد میں شبہ پڑ جائے تو اسے ٹال دے۔

شہادت کی بنا پر حدود کے ساقط ہو جانے یا سزائے حدود کے ٹال دیئے جانے کے اس مسئلہ اصول سے یہ غلط فہمی ہرگز نہیں ہونی چاہیے کہ شریعت نے اجراء حد کے مستحق مجرموں کو موت و شہادت میں صرف معمولی سا شبہ پیدا ہو جانے کی بنا پر قطعی بے گناہ سمجھ لیا ہے اور ان کو جرم کی ذرا سی بھی سزا دیئے بغیر یونہی چھوڑ دیا جائے گا.....؟؟ اس طرح تو قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کی صریح خلاف ورزی ہوتی ہے، جس میں زانی غیر مہسن کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے دو ٹوک الفاظ میں یہ حکم دیا ہے:

۱۔ جامع الترمذی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۲۴ (طبع نور محمد کراچی)

۲۔ معدن الحقائق محمد حنیف گنگوہی ج نمبر: ۱۱۱: ۳۱۱ (مکتبہ اشرفیہ لاہور)

﴿وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾

[المائدہ: ۲۰]

”دونوں کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں (سو) کوڑے لگاتے ہوئے تم کو ان پر ذرا بھی ترس نہیں آنا چاہیے، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور آخرت کے دن (اللہ کے حضور جواب دہی پر) تمہیں یقین ہے۔“

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر آگاہ کیا گیا ہے کہ جنہیں مجلسِ آخرت پر یقین ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے نفاذ میں کسی رو رعایت سے کام نہ لیں اور مجرم کے حق میں شفقت کا ادنیٰ داعیہ بھی ان کے دل میں پیدا نہ ہو اور یہی ان کے ایمان کا عملی تقاضا بھی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی ذہنی الجھن اور غلط فہمی صرف ان لوگوں کو پیش آتی ہے جو اسلامی قانون کی نزاکتوں اور اس کی اصل روح سے نا آشنا ہیں اور ہر چیز کو سطحی طور پر دیکھنے کے عادی ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی ہی ہے کہ اسلامی قانون میں یہ اصول رکھا گیا ہے کہ جس جرم کی سزا جتنی سخت ہے، اس کے ثبوت کے لیے شرائط بھی ویسی ہی سخت رکھی گئی ہیں اور ان سزاؤں کے اجراء میں انتہائی احتیاط برتنے کا حکم ہے۔ مثال کے طور پر زنا کی سزا اسلام میں انتہائی سخت ہے۔ چنانچہ ثبوتِ زنا کے لیے سخت ترین شرط عائد کر دی گئی ہے۔ عام معاملات میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ثبوت کے لیے کافی سمجھی گئی ہے، لیکن حدِ زنا کے لیے چار مرد گواہوں کی ایسی عینی شہادت جس میں کوئی التباس نہ ہو ضروری شرط ہے۔ یہی نہیں بلکہ شہادتِ زنا کی اگر کوئی شرط مفقود ہونے کی بنا پر عدالت نے شہادت رد کر دی ہو تو پھر شہادت دینے والوں کی خیریت نہیں۔ ان پر قذف، یعنی زنا کی جھوٹی شہادت کا جرم قائم ہو کر حدِ قذف یعنی اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔ قرآن کریم اور سنتِ نبوی ﷺ میں اجراءِ حد و حد کی سزائیں سنگین رکھی گئی ہیں۔ اسی مناسبت سے ثبوت و شہادت کی شرائط بھی انتہائی سخت ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ اصول بھی بنا دیا گیا ہے کہ معمولی سا شبہ پیدا ہو جانے پر حد تو ساقط

ہو جاتی ہے، البتہ جرم کی مناسبت سے ”تعزیری سزا“ باقی رہ جاتی ہے اور اس کے نفاذ کو قاضی یا عدالت شرعیہ کے صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے.....!!

نفاذ حدود کے لیے ثبوت و شہادت میں احتیاط برتنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ مجرم کے صحیح العقل، تندرست اور سلیم البدن ہونے کی جو شرائط عائد کی گئی ہیں، ان کے لیے صحیح احادیث میں نظیریں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جب زنا کا اعتراف کیا تو آپ ﷺ نے ان کی طرف سے رخ مبارک پھیر لیا۔ وہ برابر اپنے گناہ کا اعتراف کرتے رہے اور آپ ﷺ ہر مرتبہ رخ انور ان کی طرف سے پھیرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے گناہ پر چار مرتبہ شہادت دی، تو آپ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: ”کیا تو پاگل ہے؟“ ماعز رضی اللہ عنہ نے عرض کیا نہیں! پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تو شادی شدہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ اس پر آپ ﷺ نے ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس پر حد جاری ہو، اس کو صحیح العقل ہونا چاہیے اور اس کے ذہنی طور پر صحت مند ہونے کی اسی طرح تصدیق کی جانی ضروری ہے جس طرح آپ ﷺ نے ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں کی تھی۔

نفاذ حدود کے لیے مجرم کا صحت مند ہونا بھی ضروری شرط ہے۔ اس کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب سے مروی اس حدیث کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لونڈی کے ارتکاب زنا کے جرم پر حد جاری کرنے کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے معلوم ہوا کہ حال ہی میں اس کے ولادت ہوئی ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اسے پچاس کوڑے مارتا ہوں تو وہ مر جائے گی۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے

۱۔ صحیح بخاری ج نمبر: ۲۰، حدیث نمبر: ۱۰۰۷ (طبع دہلی ۱۳۲۵ھ)

فرمایا: تم نے اچھا کیا کہ اس حالت میں اس پر حد جاری نہیں کی۔ ۱۔
 اسی ضمن میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت بھی پیش کی جاسکتی ہے، جس کے مطابق ایک دن وہ ایک ایسے شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، جو ناقص الخلقیت اور بیمار شخص تھا اور ایسا بیمار تھا کہ صحت مند ہونے کی امید نہ تھی۔ اس شخص کو اہل محلہ کی باندیوں میں سے ایک باندی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ اس کی صحت کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ کھجور کی ایک ایسی ٹہنی لو، جس میں سو چھوٹی چھوٹی شاخیں ہوں۔ اس ٹہنی سے اس شخص کو ایک دفعہ مارو۔ ۲۔

زنا کی لغوی اور شرعی تعریف

زنا کا لفظ اگر ”سی“ کے ساتھ لکھا جائے یعنی ”زنی“ تو اخت میں اس کے معنی زنا کے ہیں۔ لیکن اگر یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ لکھا جائے یعنی ”زناء“ تو اس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس میں بھی زنا کا مفہوم شامل ہے، کیونکہ فعل زنا کے وقت ہیئت کے اعتبار سے مرد عموماً عورت کے اوپر چڑھا ہوا ہی ہوتا ہے۔

زنا کے لغوی اور شرعی معنی میں صرف اتنا فرق ہے کہ اس کی شرعی یا فقہی تعریف میں کچھ جامع اور ناگزیر شرطیں لگی ہوئی ہیں اور ان شرائط پر الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ تمام فقہائے امت متفق ہیں۔ مثال کے طور پر زنا کی تعریف علامہ کاسانی متونی ۵۸۷ھ نے اس طرح کی ہے:

((أَمَّا الزَّانَا فَهُوَ اسْمٌ لِلذَّوْءِ الْحَرَامِ فِي قُبُلِ الْمَرْأَةِ الْحَيَّةِ فِي حَالَةِ الْإِخْتِيَارِ)) ۳۔

”زنا نام ہے کسی بالغ مرد کا کسی ایسی زندہ عورت سے جنسی تعلق قائم کرنے کا جو جنسی خواہش پوری کرنے کی عمر کو پہنچ گئی ہو۔“

۱۔ مظاہر حق ج: ۳، ص: ۶۰۹ (شرح مشکوٰۃ)

۲۔ مظاہر حق ج: ۳، ص: ۶۱۳ (شرح مشکوٰۃ)

۳۔ بدائع الصنائع علامہ کاسانی ج: ۷، ص: ۳۶

امام مالک نے فعل زنا کی جو تصریح کی ہے، اس کو صاحب بدایۃ المجتہد، ابن رشد نے ان لفاظ میں نقل کیا ہے:

((الزَّيْنَةُ فَهُوَ كُلُّ وِطَاءٍ وَقَعَ عَلَى غَيْرِ نِكَاحٍ صَحِيحٍ وَلَا شُبْهَةَ نِكَاحٍ وَلَا مِلْكَ يَمِينٍ))^۱

”زنا اس جنسی خواہش پورا کرنے کے عمل کو کہتے ہیں، جو نکاح صحیح کے ذریعہ نہ ہو اور نہ نکاح کا شبہ ہو اور نہ وہ ملک یمنین (یعنی باندی) ہو۔“

علامہ عبدالرحمن الجزیری ”الفقه على المذاهب الاربعه“ میں زنا کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

((الزَّيْنَةُ عِبَارَةٌ عَنْ وِطَاءٍ مُكَلَّفٍ فِي فَرْجِ امْرَأَةٍ مُشْتَهَاةٍ خَالِيَةٍ عَنِ الْمِلْكِ وَشُبْهِهِ وَيَبْتِئُ حُرْمَةُ الْمُصَاهَرَةِ نَسْبًا وَرِضَاعَةً))^۲

”زنا کہتے ہیں کسی بالغ مرد کا ایسی عورت سے جنسی تعلق قائم کرنا جو اس عمر کو پہنچ چکی ہو اور وہ ملک یا شبہ ملک سے خالی ہو۔ اور نسب و رضاعت کے ذریعہ حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔“

مذکورہ بالا فقہی تصریحات اور زنا کی تعریفوں سے فعل زنا کے بارے میں پانچ (۵) باتیں معلوم ہوئیں۔

☆ فعل زنا کا صدور اصلاً مرد کی طرف سے ہوتا ہے۔ عورت کو مجازاً زانیہ کہا جاتا ہے۔

اس لیے کہ اس فعل کا وقوع عورت پر ہوتا ہے۔ مرد کی حیثیت فاعل کی ہوتی ہے اور

عورت مقبول۔

☆ زنا کرنے والے مرد کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔

☆ جس عورت سے وہ زنا کرتا ہے، وہ اس کے نکاح صحیح میں نہ ہو، بلکہ اجنبی ہو اور وہ

عورت بھی زنا کی عمر کو پہنچ چکی ہو اور زندہ ہو۔ یعنی اگر چھوٹی بچی یا مردہ عورت سے

^۱ بدایۃ المجتہد ابن رشد ج: ۲، ص: ۴۳۳ (مطبوعہ بیروت ۱۹۸۳ء)

^۲ ”الفقه على المذاهب الاربعه“ عبدالرحمن الجزیری ج: ۵، ص: ۴۱

زنا کیا جائے تو ایسی صورت میں مرد پر حد زنا کا نفاذ نہیں ہوگا۔

☆ جس عورت سے زنا کیا گیا ہو، وہ کسی کی شرعی لونڈی نہ ہو۔

☆ عورت کی شرمگاہ یعنی فرج میں اس نے اپنی شہوت پوری کی ہو، عورت یا مرد کے پاخانہ کے مقام پر شہوت پوری کرنے کی صورت میں زنا کی حد جاری نہیں کی جائے گی۔ البتہ اس فعل پر تعزیر ہر صورت میں ہوگی۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ قبل کے ساتھ ذہب میں بھی قضاء شہوت پر حد زنا کے نفاذ کے قائل ہیں۔ ۱۷

اسلامی شریعت نے نہ صرف زنا کو حرام قرار دیا ہے بلکہ اس نے اس کے ذرائع اور محرکات کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں واضح طور پر مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ:

﴿ وَلَا تَقْرُبُوا الزَّوْجَاتِ الْزَّوْجَاتِ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ ﴾

[آیت: ۳۲]

”زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بلاشبہ یہ فعلی کھلی ہوئی بے حیائی ہے اور بدترین راستہ ہے۔“

سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ کے بہترین بندوں (عباد الرحمن) کی پہچان بتاتے

۱۷ الاحکام السلطانیہ ابو یعلیٰ ص: ۲۴۷، ماوردی ص: ۲۱۲

نوٹ:..... حد زنا کے لیے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ اس جرم کا مرتکب زنا کی حرمت سے واقف ہو۔ جو آدمی (یا عورت) حرمت زنا سے لاعلم ہو۔ اس پر بھی حد قائم نہ ہوگی۔ جیسا کہ جناب عمر بن خطاب علی بن ابی طالب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما اس شرط کے قائل اور عامل تھے۔ ان تینوں بزرگ صحابہ سے: لَا حُدَّ إِلَّا عَلٰی مَنْ عَلِمَهُ..... حد زنا صرف اسی پر ہوگی جو اس کا علم رکھے۔ (یعنی اسے معلوم ہو کہ زنا کی سزا کیا ہے؟) مصنف عبدالرزاق: ۴۰۳/۷، ح: ۱۳۶۴۳، ح: ۴۰۵/۷، ح: ۱۳۶۴۸ اور السنن الکبریٰ للبیہقی: ۴۱۵/۸، ح: ۱۷۰۶۵ میں ان کا قول و اثر مردی ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی کی ان کے ساتھ اس ضمن میں مخالفت ثابت نہیں ہے۔ مثلاً کوئی مرد یا کوئی عورت جو بالکل نیا نیا اسلام میں داخل ہوا ہو اور اسے شریعت اسلامیہ کے مسائل کا قطعاً علم نہ ہو تو اس کا زنا کی صورت میں اس پر حد زنا نافذ نہ ہوگی۔ تفصیل کے لیے: مغنی ابن قدامہ اور المخلص الفقہی لفضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان الفوزان جلد دوم، ص: ۵۲۳ دیکھئے۔ (ابوبجی)

ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ

[الفرقان: ۶۸]

يَلْقَ أَنفَا ۝

”جس جان کو قتل کرنا حرام ہے، اسے وہ ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ وہ زنا

جیسے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اور جو کوئی ایسے کام کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔“

فعل زنا کی قباحت اور شاعت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں اس کا ذکر قتل نفس کے فوراً بعد بلکہ اس کے ساتھ ہی کیا گیا ہے۔ گویا کسی کو قتل کر دینا، جس طرح اس شخص کے جسمانی وجود کو ختم کر دینا ہے، ٹھیک اسی طرح فعل زنا کا ارتکاب کرنے والا انسان معنوی وجود اور اس کی روح کو فنا کر دینے کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کا یہ نتیجہ فعل نہ صرف یہ کہ قتل نفس کی طرح ایک بڑا جرم ہے بلکہ نتائج کے اعتبار سے پوری انسانیت اور معاشرے کے لیے تباہی کا باعث ہے۔ اس گناہ نے جرم کے بعد عورت اپنی عفت و عصمت سے محروم ہو جاتی ہے، جس سے اس کے قبیلہ اور خاندان کو ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس فعل کے نتیجہ میں نسل ضائع چلی جاتی ہے اور خاندانی سلسلے کا نام و نشان باقی نہیں رہتا۔ فعل زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کی پرورش کی ذمہ داری قبول کرنے پر کوئی آمادہ نہیں ہوتا۔ جس سوسائٹی میں زنا عام ہو جاتا ہے، اس میں ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تمام جرائم میں فحش تر جرم، زنا کو قرار دیا ہے اور اس کی مناسبت سے اس کی سزا بھی انتہائی مقرر فرمائی ہے۔ یعنی ایسے زانی کے لیے جو شادی شدہ نہ ہو سو (۱۰۰) کوڑے سزا مقرر کی ہے اور شادی شدہ زانی کے لیے جرم یعنی سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ افراد کے لیے ”محسن“ اور ”غیر محسن“ کی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔ محسن، حصن سے نکلا ہے۔ جس کے معنی قلعہ کے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قلعہ حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ تو جس کی شادی ہو گئی

اس کو اپنی شہوت نفسانی کی حفاظت کے لیے ایک قلعہ بنا لیا۔ اب اگر وہ اس قلعہ سے باہر آتا ہے، تو وہ اپنی حفاظت کا پردہ گویا خود چاک کرتا ہے۔ اس کے برخلاف غیر شادی شدہ کو یہ حفاظت حاصل نہیں ہے، اس لیے اس کا جرم زنا..... اپنی ساری قباحتوں کے باوجود..... بہر صورت شادی شدہ افراد کے جرم زنا سے ہلکا ہے۔ اسی اعتبار سے دونوں کی سزا میں شریعت نے فرق کیا ہے۔

جرم زنا کی ذہنی اور اخلاقی قباحتوں اور اس کے دور رس نتائج اور مختلف پہلوؤں کی وضاحت مکھوۃ کی اس حدیث نبوی سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((كَتَبَ عَلَيَّ ابْنُ آدَمَ نَصِيْبَهُ مِنَ الزَّيْنَاءِ مُدْرِكُ ذَلِكَ لَا مَحَالَةَ ، فَالْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظْرُ وَالْأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْإِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْحُطَاءُ ، وَالْقَلْبُ يَهْوَى وَيَتَمَنَّى وَيُصَدِّقُ ذَلِكَ الْفَرْجُ أَوْ يُكْذِبُهُ)) ۱

”زنا میں ابن آدم کا جو حصہ ہوتا ہے وہ لکھ دیا جاتا ہے اور اس گناہ کا وہ حصہ ضرور پاتا ہے۔ پس آنکھ کا زنا شہوت سے کسی غیر محرم کو دیکھنا ہے۔ کانوں کا زنا شہوت انگیز باتیں سننا ہے اور زبان کا زنا جنسی جذبات کو ابھارنے والی باتیں کرنا ہے۔ ہاتھ کا زنا کسی کو بری نیت سے پکڑنا ہے اور پیر کا زنا اس کا اس راستہ میں چلنا ہے۔ پہلے قلب میں برے خیالات پیدا ہوتے ہیں، پھر وہ غلط تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کو بچ یا جھوٹ کر دکھاتی ہے۔“

زنا کی شہادت اور اس کا طریقہ

زنا کے جرم کے ثبوت کی دو صورتیں ہیں:

☆ چار چشم دید گواہ زنا کی شہادت دیں۔

۱۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حظه من الزنی وغیرہ، حدیث: ۱۷۵۴

☆ زانی خود اپنے جرم کا اقرار کرے۔

زنا کے ثبوت کی کچھ عمومی شرطیں ہیں اور کچھ خصوصی شرطیں۔ ان تمام شرطوں میں کچھ باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

الف..... یہ کہ چار گواہ مرد ہوں۔ حدود میں عورت کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

ب..... اگر چار سے کم نے گواہی دی تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ ایسی صورت میں ان لوگوں پر جن کی شہادت قبول نہیں کی گئی ہے حد قذف جاری کی جائے گی۔ اس ضمن میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ جب ان پر زنا کا الزام لگایا گیا تو تین گواہوں نے صراحتاً گواہی دی، مگر چوتھے نے گول مول الفاظ استعمال کیے۔ اس لیے اس کی گواہی رد کر دی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین گواہوں پر حد قذف جاری کی اور اس پر کسی صحابی نے ان سے اختلاف نہیں کیا۔ اس طرح یہ ایک اجماعی مسئلہ بن گیا۔

ج..... شہادت کے وقت اتحادِ مجلس یعنی ایک وقت میں سب گواہوں کی عدالت میں موجودگی ضروری ہے۔ اگر متفرق طور پر شہادت کے لیے آئیں گے، تو ان کی شہادت رد کر دی جائے گی اور ان گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی۔

د..... جس کے خلاف زنا کی گواہی دی جاتی ہو اس کا اس لائق ہونا ضروری ہے کہ اس سے زنا کا صدور ہو سکتا ہو۔ مثلاً محبوب یعنی وہ شخص جس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو اس پر زنا کی گواہی معتبر نہیں مانی جائے گی اور گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی۔ البتہ وہ شخص اگر خصی اور عنین یعنی نامرد ہو تو اس کے بارے میں گواہی قبول کر لی جائے گی۔ اس لیے کہ اس سے زنا کا صدور ممکن ہے۔ کیونکہ علاجِ معالجہ کے ذریعہ نامردی کا تدارک ہو سکتا ہے۔

ہ..... زنا کی گواہی دینے والے تمام گواہوں کے بیان میں یکسانیت ہونی ضروری ہے۔ مثلاً اگر ایک کہتا ہے کہ فلاں مقام پر یہ فعل کیا گیا اور دوسرا گواہ اس کے برخلاف کسی دوسری جگہ کی نشاندہی کرتا ہے، یا ایک گواہ کا بیان ہے کہ فعل زنا کا صدور

فلاں دن ہوا اور دوسرا گواہ کسی اور دن کے بارے میں شہادت دیتا ہے تو ایسی صورتوں میں بھی ان کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ اور ان گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی۔

ز..... زنا کی گواہی دینے والوں میں سے اگر دو گواہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا ہے، مگر باقی دو گواہوں کا بیان ہے کہ نہیں بلکہ عورت کی رضامندی سے یہ فعل ہوا ہے تو ایسی صورت میں قاضی ان سے جرح کرے گا کہ زنا کیا ہے اور کیسے وقوع پذیر ہوا؟ کب ہوا اور کس عورت سے ساتھ زنا کا فعل ہوا؟

فقہاء کی تصریح کے مطابق زنا کی حقیقت کے بارے میں جرح اس لیے کی جائے گی کہ ممکن ہے اس نے زنا کا غیر معروف مفہوم سمجھا ہو، جیسے کہ سطور گذشتہ میں حدیث گذر چکی ہے کہ آدمی کی دونوں آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ہاتھ پیر سے بھی زنا کا صدور ہوتا ہے۔ اس لیے اس بات کا بھی امکان ہے کہ گواہ نے اس طرح کے کام کو زنا سمجھ لیا ہو۔ کب ہوا کا سوال اس لیے کیا جائے گا کہ ممکن ہے یہ جرم بہت پہلے ہوا ہے اور ایک لمبی مدت گزرنے کے بعد وہ گواہی دے رہا ہو تو یہ چیز اس کی صحت میں شبہ پیدا کرتی ہے اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جگہ کے بارے میں سوال اس لیے کیا جائے گا کہ ہو سکتا ہے اس نے فعل زنا کسی دوسرے ملک میں کیا ہو۔ ایسی صورت میں بھی اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ اسی طرح اس بات کا بھی امکان ہے کہ مزنیہ یعنی وہ عورت جس سے زنا کیا گیا ہے اس طرم شخص کی بیوی رہی ہو۔ اس لیے عورت کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا کہ وہ کون ہے؟ اس کے علاوہ قاضی ان گواہوں سے یہ بھی پوچھے گا کہ زنا کار محسن (مرد اور عورت دونوں) ہیں یا غیر محسن؟ اس کے بعد اسی کے مطابق جرم یا سوہ۱۰ اکوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

۱۔ بدائع الصنائع علامہ کاسانی ج : ۷، ص ۴۹۔

۲۔ ”حدود و قصاص“ مولانا مجیب ندوی بحوالہ ”الارشاد“ فروری ۱۹۵۷ء

اپنے جرم کا اقرار

جرم زنا کے ثبوت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ زانی خود اپنے جرم کا اقرار کر لے۔ شہادت میں تو شبہ کی گنجائش ہوتی ہے، مگر اقرار میں کسی قسم کے شک و شبہ کا امکان نہیں رہتا۔ کیونکہ آدمی حتی الامکان اپنے اوپر تہمت کو پسند نہیں کرتا۔

اقرار کے لیے کچھ شرائط مقرر کی گئی ہیں۔ ان میں دو شرطیں تو ایسی ہیں جو زنا کے علاوہ دیگر حدود کے لیے بھی ضروری ہیں۔ یعنی ایک یہ کہ اقرار کرنے والا عاقل و بالغ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے اقرار کرے۔ اشارے سے اقرار یا لکھ کر دینے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ گونگے کے اقرار یا اس کے لکھ کر دینے پر حد کا اجراء نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اندھے کا اقرار قابل قبول ہوگا، کیونکہ بیٹا ہونا شرط نہیں ہے۔ اسی طرح عورت کا اقرار بھی مرد کی طرح قابل قبول ہوگا۔

اقرار زنا کے لیے کچھ شرطیں مخصوص ہیں جو ان مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ ہیں۔ ان میں پہلی شرط یہ ہے کہ زانی اپنے فعل زنا کا اقرار چار بار اپنی زبان سے کرے۔ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے چار بار ان سے دریافت فرمایا تھا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ چار مرتبہ کا اقرار وقفہ وقفہ سے ہونا چاہیے۔ مسلم، ابوداؤد اور نسائی کی روایت کے مطابق ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے اقرار زنا پر حضور اکرم ﷺ نے تین بار واپس کیا تھا اور چوتھی مرتبہ آکر اقرار کرنے پر آپ ﷺ نے رجم کا حکم فرمایا تھا۔

جس طرح شہادت کے بعد قاضی کے لیے گواہوں سے جرح کرنا ضروری ہے، ٹھیک اسی طرح اقرار کے بعد بھی وہ اس سے اتمام حجت کے لیے چند سوالات کرے گا۔

یعنی زنا کیا ہے؟ کس طرح کیا؟ اور کس کے ساتھ کیا؟ وغیرہ۔ جب ان سوالات کے جواب وہ دے لے گا تو اس کے بعد ہی اس پر حد جاری ہوگی۔ اس ضمن میں ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی جرح کو بطور ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے۔

اگر کوئی شخص زنا کا اقرار کرنے کے بعد پھر جائے تو احناف، حنابلہ اور شوافع کی رائے کے مطابق اس کے رجوع کو قبول کیا جائے گا اور اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ کیونکہ شریعت کا اصول ہے کہ شبہ کی بنا پر حد جاری نہ کی جائے اور اس کا اقرار سے پھر جانا شبہ پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ماعزؓ کے واقعہ میں بھی اس کی دلیل ملتی ہے۔ جب ان کو رجم کیا جانے لگا تو وہ بھاگنے لگے، مگر ان کو دوڑا کر مار ڈالا۔ اس بات کی جب آپ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا:

((هَلَّا تَرَ كُتْمُوهُ لَعَلَّهُ أَنْ يُتُوبَ فَيُتُوبَ اللَّهُ عَلَيْهِ))

[سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۱۹]

”تم لوگوں نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا؟ ہو سکتا ہے وہ ثابت ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنے دامنِ رحمت میں لے لیتا۔“

امام مالک رحمہ اللہ کی رائے اس سلسلے میں قدرے مختلف ہے۔ ان کے خیال کے مطابق اگر اقرار سے پہلے کوئی شبہ پیدا ہو تو حد جاری نہیں کی جائے گی، لیکن اگر وہ کسی شبہ کے بغیر اپنے اقرار سے پھر رہا ہے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ لہ



لے ”الفقه علی المناہب الاربعہ“ عبدالرحمن الجزیری ج: ۵، ص: ۸۵، ۸۴

فصل دوم

حدِ رجم..... قرآن و سنت کی روشنی میں

انکارِ رجم کے سلسلے میں فراہمی فکر کا اتباع کرنے والوں کے ”مزموومہ دلائل“ اور ان کی فکری تنگ و تنگ پر گفتگو کرنے سے پہلے ہم بارگاہِ رب العزت میں بصدِ عجز و نیاز اپنی فکر و فہم کی سلامتی کی دعا کرتے ہیں اور اپنے نفسِ شریک کے شر سے اس کی پناہ چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت کے طلب گار ہیں۔ بلاشبہ وہ جس کو بھی راہِ ہدایت کی طرف رہنمائی کر دے، وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے راہِ حق سے وہ پھیر دے وہی گمراہ ہے۔

((اللَّهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرِزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَاَرِزُقْنَا اجْتِنَابَهُ))

زیرِ بحث کتاب ”حقیقتِ رجم“ کے مصنف جناب مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی صاحب، اپنی علمی لیاقت، تصنیف و ترجمہ کی صلاحیتوں اور تفسیر، حدیث و فقہ کے درس و تدریس کے طویل تجربہ کی بنا پر علمی دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ موصوف نے امام محمد یونیورسٹی ریاض سے قرآنی علوم میں ایم اے اور پھر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ ایسی ہمہ صفت موصوف ہستی کو ان کی کسی لغزش یا کوتاہی کی طرف توجہ دلانا ہم جیسے اصغر اور علم و عمل سے کورے انسان کے لیے بلاشبہ جرأت بے جا اور سوائے ادبی کی بات ہے۔ مگر اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ کے خیال سے ہم..... نفسِ موضوع پر اظہارِ خیال سے پہلے..... اس بات پر حیرت و انوس کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ موصوف نے ایک ٹھوس دینی موضوع پر لکھنے کے لیے قلم اٹھایا، مگر ابتداء کتاب سے آخر تک کہیں بھی ”بسم اللہ“ نہیں لکھی نہ تو پیش لفظ یا مقدمہ کے شروع میں اور نہ کتاب کا آغاز کرتے وقت۔ موصوف کو یہ بتانے کی غالباً ضرورت نہیں ہے کہ احادیث کی تصریح کے مطابق جس کام کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے، اس کام

سے نہ صرف برکت اٹھالی جاتی ہے بلکہ اس کام میں شیطان بھی شریک ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے ہر کام شروع کرتے وقت ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ سے آغاز کرنے کا حکم ہے خواہ وہ کھانا کھانے جا رہا ہو یا اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے..... ظاہر ہے کہ جس کتاب کے لکھتے وقت اللہ سے مدد اور توفیق طلب کرنے کی بجائے شیطان رجم کو اپنا ہم جلیس بنا لیا گیا ہو، اس کتاب کی علمی وقعت اور دینی رہنمائی کی صلاحیت کس پایہ کی ہوگی؟ تشریح کی ضرورت نہیں۔

آیتِ محاربہ سے استدلال

مولانا عنایت اللہ سبحانی کی کتاب ”حقیقتِ رجم“ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ علامہ حمید الدین فراہی کا اتباع کرتے ہوئے، ٹھیک انہیں کے انداز میں رجم کے حکم کو سورۃ النساء کی پندرہویں آیت کے اشارۃً النص ﴿ اَوْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴾ متواتر احادیث اور اجماع امت کے علی الرغم قرآن مجید کی سورۃ المائدہ کی آیت محاربہ سے ماخوذ مانتے ہیں۔ اس طرح علامہ فراہی اور ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی صاحب ”تدبر قرآن“ کی طرح ان کا موقف بھی یہی ہے کہ رجم کی سزا شادی شدہ کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ زنا کے ہر عادی مجرم کے لیے ہے، خواہ وہ کنوارہ ہو، یا شادی شدہ۔ ان کے خیال کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں جو واقعات رجم پیش آئے وہ سب عادی مجرموں کے سلسلے میں ہیں۔ محسن یا غیر محسن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

آئیے دیکھیں! کیا واقعی سورۃ مائدہ کی آیت محاربہ سے رجم کا ثبوت نکلتا ہے؟ اور کیا پوری امت نے اس آیت کو رجم کے لیے دلیل مانا ہے؟ یا یہ کہ یہ نظریہ صرف علامہ فراہی اور ان کے قبیحین کے دماغوں کی ایجاد ہے۔؟؟

آیت محاربہ ملاحظہ ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اِلٰهَکَ وَرَسُوْلَهُۥ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ

فَسَادًا أَوْ يُقْتَلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خَلْفٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لِمَا هُمْ خَرِئُوا فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۳﴾ [المائدہ: ۳۳]

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے برسرِ جنگ ہوتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے، یا ان کو سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے ہولناک عذاب ہے۔“

مولانا امین احسن اصلاحی جو موجودہ دور میں فراہی مکتب فکر کے سرخیل اور انکارِ رجم کے موقف میں عنایت اللہ سبحانی صاحب کے ہموا اور پیش رو ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر ”تدبر قرآن“ میں رجم کے ثبوت کے لیے سورہ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے، اسے انہوں نے سورہ نور کی تفسیر کرتے ہوئے ان الفاظ میں دہرایا ہے:

”ہم نے (سورہ مائدہ میں) رجم کا ماخذ ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔ اَنْ يُقْتَلُوا یہ کہ فساد فی الارض کے یہ مجرمین قتل کر دیئے جائیں، یہاں لفظ قتل کے بجائے تقتیل باب تفعیل سے استعمال ہوا ہے..... اس سے اشارہ نکلتا ہے کہ ان کو عبرت انگیز اور سبق آموز طریقہ سے قتل کیا جائے..... رجم یعنی سنگساری بھی ہمارے نزدیک تقتیل کے تحت داخل ہے۔“

آیت محاربہ سے رجم کے استدلال کے لیے مولانا امین احسن اصلاحی نے مغالطہ دینے کے لیے امام بخاری کا نام لیا ہے کہ وہ رجم کو آیت محاربہ کے تحت لائے ہیں۔ لکھتے ہیں:

”یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت میں رجم کے جو واقعات پیش آئے، ان کی مخصوص نوعیت کے پیش نظر امام بخاری نے اپنی الجامع الصحیح میں

۱۔ ”تدبر قرآن“ مولانا امین احسن اصلاحی ج: ۵، ص: ۳۶۹

انہیں آیت محاربہ کے تحت بیان کیا ہے اور کتاب المحاربین میں ایک ایسی روایت لائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں بعض لوگ رجم کی سزا کا ماخذ سورہ مائدہ کی اس آیت کو سمجھتے ہیں۔“ ۱۷

مولانا عنایت اللہ سبحانی نے بھی اپنی کتاب ”حقیقتِ رجم“ میں اپنے پیش رو اور ہم مشرب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا اتباع کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ کے تعلق سے وہی بات کہی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

”جب ہم صحیح بخاری کا مطالعہ کرتے ہیں تو نہایت واضح طور پر جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں کتاب الحدود کے نام سے شرعی حدود کا ایک باب قائم کیا ہے، لیکن اس میں صرف ان روایات کا ذکر کیا ہے جو چوری اور شراب نوشی کی حدود سے تعلق رکھتی ہیں۔ البتہ رجم کی روایات کا اس باب میں سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ پھر اسی باب سے متصل ایک دوسرا باب قائم کیا ہے۔ جس کا عنوان رکھا ہے:

((كِتَابُ الْمُحَارِبِينَ مِنْ أَهْلِ الْكُفْرِ وَالرِّدَّةِ))

یعنی ”ان لوگوں کا باب جو خدا اور رسول سے برسرِ جنگ ہوتے ہیں اور یہ اہل کفر و ارتداد میں سے ہوتے ہیں۔“

اس باب کے ذیل میں انہوں نے رجم سے متعلق تمام روایات جمع کر دی ہیں۔ آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کے علاوہ اور بھی کوئی مطلب اس سے نکل سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ رجم کو شرعی حدود میں شمار نہیں کرتے۔ اس کے برعکس وہ اسے ان عبرت ناک تعزیرات میں شمار کرتے ہیں جو محاربین و مفسدین اور دشمنانِ خدا کے لیے ہوتی ہیں۔“ ۱۸

رجم کا شمار ”حدود“ میں ہوتا ہے یا یہ محض ایک تعزیر ہے؟ اس کا فیصلہ کرنے کے

۱۷ ”تدبر قرآن“ مولانا امین احسن اصلاحی ج: ۵، ص: ۳۶۹

۱۸ ”حقیقتِ رجم“ عنایت اللہ سبحانی ص: ۲۲۲

لیے گذشتہ صفحات میں ہم نے فصل اول کے تحت ”شریعت اسلامیہ اور نفاذ حدود“ کے عنوان سے جو مبسوط بحث کی ہے، اس کا مطالعہ قارئین کے لیے کافی ہوگا۔ البتہ آیت محاربہ سے رجم کے اثبات کا تکلف کرنے والے ”جدید مفکرین“ سے ہم یہ دریافت کرنے کی جرأت ضرور کریں گے کہ ان کے خیال کے مطابق رجم کی سزا صرف محاربین اور مفسدین یعنی چور اور ڈاکوؤں اور زنا کے ”عادی مجرمین“ کے لیے تجویز کی گئی ہے، تو کیا ڈاکو اور زنا بالجبر کے مجرمین جب تک ”عادی“ نہ ہوں اس وقت تک ان کو مذکورہ بالا سزا نہ دی جائے گی؟

صرف زنا کے عادی مجرم کے ساتھ ہی یہ قید فرمائی فکر والے آخر کیوں لگاتے ہیں؟ اس کے علاوہ جب مذکورہ آیت کریمہ میں مجرموں کو بری طرح قتل کیے جانے کی صراحت موجود ہے تو پھر ایسی صورت میں کیا وہ صدر اول کی ایسی کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں کہ کسی زانی کو سولی پر لٹکایا گیا ہو یا الٹی سمت سے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے ہوں؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ”کتاب المحاربین“ کے تحت ”رجم المحصن“ کے نام سے جو ایک باب باندھا ہے اور اس میں رجم کا ذکر کیا ہے، اس کی توجیہ ہم ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں فقہاء و محدثین کے موقف کے تحت کریں گے۔ سر دست صرف اتنا بتادینا کافی ہے کہ انہوں نے سورہ مائدہ کی آیت محاربہ کے تحت قسامت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((مَا عَلِمْتُ نَفْسًا حَلَّ قَتْلُهَا فِي الْإِسْلَامِ إِلَّا رَجُلٌ زَنَا بَعْدَ

إِحْصَانٍ أَوْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ))^۱

”میں نہیں جانتا کہ حالت اسلام میں تین صورتوں کے علاوہ قتل جائز ہے۔

ایک یہ کہ کسی نے شادی کے بعد زنا کیا ہو، دوسری یہ کہ کسی نے کسی کو ناحق

قتل کر دیا ہو اور تیسری یہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی ہو۔“

۱۔ بخاری شریف ج: ۴، ص: ۲۶۳

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں چونکہ واضح طور پر قتل کے مستحق افراد میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محاربہ کرنے والوں کا ذکر کر دیا ہے۔ قتل کیے جانے کے مستحق باقی دو قسم کے افراد میں بندوں کے جان و مال پر ڈاکہ ڈالنے والے مفسدین بھی اسی آیت کے ضمن میں آجاتے ہیں۔ البتہ زنا بعد احسان کے مجرموں کا ذکر یہاں ضمناً کر دیا ہے، کیونکہ وہ بھی..... طریقہ قتل سے قطع نظر..... جان ہے ہاتھ دھونے کے مستحق ہیں۔ امام بخاری اس روایت سے صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حالت اسلام میں کسی کو قتل کرنے کی صرف تین صورتیں ہیں، یعنی وہ قصاص میں قتل کیا جائے، یا شادی شدہ ہو کر زنا کا مرتکب ہو یا اس نے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی کھلے بندوں خلاف ورزی اور اہل اسلام کے خلاف جنگ و جدال کیا ہو۔

مذکورہ بالا روایت میں ”شادی شدہ کے قتل“..... یعنی زرم..... کی بات بھی کہی گئی ہے اور فراہی فکر کے قسبین کا استدلال یہ ہے کہ زرم میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی کوئی قید نہیں ہے، بلکہ اس کا زنا کا عادی ہونا کافی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں قرن اول سے لے کر ایک مثال بھی ایسی نہیں دے سکتے جس میں کسی غیر شادی شدہ فرد کو زرم کیا گیا ہو۔

آیاتِ لعان سے استدلال

مولانا عنایت اللہ سبحانی نے اپنے اس موقف کی تائید میں کہ محسن اور غیر محسن دونوں کی ایک ہی سزا ہے اور وہ ہے سو (۱۰۰) کوڑے۔ سورہ نور کی آٹھویں آیت لعان سے ٹھیک اسی طرح استدلال کیا ہے۔ جس طرح علامہ حمید الدین فراہی نے اپنی غیر مطبوعہ تفسیر یعنی ”حواشی الفرائی علی القرآن المجید“ میں سورہ نور کے تحت کیا ہے۔ علامہ فراہی نے زور دے کر لکھا ہے کہ سورہ نور کی آٹھویں آیت میں ”وَيَذُرُوا عَنْهَا الْعَذَابَ“ میں جس عذاب کا تذکرہ ہے، ضروری ہے کہ علی الاطلاق وہ محسن اور غیر محسن ہر طرح

کے زانی کے لیے عام ہو۔ ۱۰

مولانا عنایت اللہ سبحانی نے اگرچہ آیت لعان کو نقل کرنے کے بعد اس سلسلے میں مختلف فقہاء کے موقف علیحدہ علیحدہ بیان کر دیئے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے قطعی تیار نہیں ہیں کہ اَلْعَذَابُ سے مراد کوئی ایسی سزا ہو سکتی ہے جو لفظوں میں مذکور نہ ہو اور نہ اس کی طرف کوئی اشارہ۔ جیسے قید میں ڈالنا، اسی طرح کی کوئی اور سزا۔ بلکہ وہ یقین کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد سو (۱۰۰) کوڑوں کی سزا ہے، کیونکہ ان کے خیال کے مطابق یہاں عذاب سے مراد ”حدزنا“ ہی ہے۔ اور چونکہ آیت لعان میں شادی شدہ عورتوں کا مسئلہ ہی مذکور ہے، غیر شادی شدہ کا نہیں۔ لہذا حدزنا کے سلسلے میں ان کے خیال کے مطابق قرآن نے کوئی تفریق نہیں کی اور محسن و غیر محسن دونوں کے لیے ایک ہی سزا رکھی ہے اور وہ ہے سو ۱۰۰ کوڑے۔ اس لیے اس آیت سے بھی زنا کی سزا بلا تفریق محسن کے لیے رجم کے بجائے سو ۱۰۰ کوڑے ہی ثابت ہوتی ہے۔

عنایت اللہ سبحانی صاحب کے اس موقف پر اظہار خیال کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سورہ نور کی آیت نمبر ۸ یعنی ”آیت لعان“ نقل کر دی جائے تاکہ الفاظ قرآن کی روشنی میں اس سلسلہ کلام کو آگے بڑھایا جاسکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَذَرُهَا الْعَذَابُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ تَشْهَدَ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَعَنَ
الْكٰذِبِينَ ﴿٥﴾ وَالْخٰنِمْسَةَ أَنْ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنْ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾﴾

[سورة النور: ۸، ۹]

”اور اس عورت سے سزا کو ٹال دے گی یہ بات کہ وہ چار بار شہادت دے اللہ کے حوالہ سے کہ بلاشبہ وہ شخص جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے:

۱۰ ”حواشی الفرائض علی القرآن المجید“ سورة النور (غیر مطبوعہ) بحوالہ سے ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ ص: ۸۰ (مارچ ۱۹۹۳ء)

اللہ کا غضب ہو اس پر اگر وہ شخص سچوں میں سے ہے۔“

قرآن فہمی کے بنیادی اصولوں میں یہ بات شامل ہے کہ کسی بھی آیت کا صحیح مفہوم اور منشاء سمجھنے کے لیے اس آیت کا شان نزول اور پس منظر معلوم کر لیا جائے۔ اس اصول کی روشنی میں جب ہم مذکورہ بالا آیت لعان پر غور کرتے ہیں تو صورت حال یہ سامنے آتی ہے کہ یہ سورہ نور کی آٹھویں آیت ہے۔ اس سے پہلے آیت نمبر ۴ اور نمبر ۵ میں قذف کے احکام کا ذکر ہے اور آیت نمبر دو اور تین میں علی الترتیب زنا غیر محسن کی سزا کے احکام اور زانی کے موثرین سے نکاح کی حرمت کا تذکرہ ہے۔ سورہ نور کی ابتداء ان الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿سُورَةُ نُورٍ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

[النور: ۱]

”یہ ایک سورہ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اسے ہم نے فرض کیا ہے اور اس میں ہم نے صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں شاید تم سبق لو۔“

سورہ نور کے یہ ابتدائی اور تمہیدی فقرے اور انداز بیان اس حقیقت کی نشاندہی کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کے احکام کتنی اہمیت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ اس آیت میں فَرَضْنَاهَا کے لفظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس سورہ میں جو باتیں بتائی گئی ہیں وہ محض ”سفارشات“ نہیں ہیں کہ جس کا جی چاہے مانے اور عمل کرے اور جس کا جی چاہے تو نہ مانے۔ بلکہ یہ احکام ”فرض“ کی نوعیت کے ہیں، جن کا عمل کرنا ہے مومن و مسلم کے لیے قطعی ضروری اور لازمی ہے..... تیسرے فقرے میں بتایا گیا ہے کہ اس سورہ میں جو احکام و ہدایات دی جا رہی ہیں وہ صاف صاف اور بالکل واضح ہیں۔ ان ہدایات میں تشکیک و ابہام کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہذا ایسی صورت میں تم یہ عذر نہیں کر سکتے کہ فلاں بات گجنگ اور پیچیدہ ہے اور ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس لیے ہم عمل کیسے کریں..... اس آیت میں ﴿أَنْزَلْنَاهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ ”یعنی ہم نے صاف صاف

ہدایات نازل کی ہیں۔“ کے الفاظ کی موجودگی کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ آیت نمبر آٹھ میں ”العذاب“ کا مفہوم واضح نہیں ہے اور سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۵ کے قرآن کے مطابق یہاں بھی حد زنا کا مفہوم سو کوڑے مراد ہوگا، اگر تکذیب نہیں تو آخر اسے ”قرآن منہی“ کے کس زمرے میں شمار کریں گے..... اس لیے حق شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن کے بیان کی تکذیب کا گناہ سر پر لینے اور العذاب کی من مانی تاویل کرنے کی بجائے مذکورہ بالا قرآنی وضاحت کی روشنی میں آئیے اس کی حقیقت پر غور کریں۔

سورہ نور اس وقت نازل ہوئی جب واقعہ انک سے مدینہ کے معاشرے میں پھیل چکی ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں مسلم معاشرے میں برائیوں کے نفوذ کو روکنے اور اس کے اثرات بد کے پھیلاؤ سے محفوظ کرنے اور اس کے مکمل تدارک و استیصال کے لیے اس سورہ میں جو اخلاقی اور معاشرتی قوانین اور احکام و ہدایات نازل کی گئیں، ان کی ترتیب حسب ذیل ہے:

☆ سب سے پہلے فعل زنا کو جو اس سے قبل ایک معاشرتی جرم قرار دیا جا چکا تھا اور اس اعتبار سے سورہ نساء کی آیت نمبر پندرہ و سولہ (۱۶، ۱۵) میں ہدایات و احکام آئے تھے، اسے اب ”فوجداری جرم“ قرار دے کر اس کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے مقرر کی گئی۔

☆ پھر اہل ایمان کو زنا کار مردوں اور عورتوں سے رشتہ مناکحت جوڑنے سے منع کیا گیا اور اس قسم کے افراد سے معاشرتی مقاطعے کا حکم دے دیا گیا۔

☆ اس کے بعد یہ بتایا گیا کہ جو شخص دوسرے پر زنا کا الزام لگائے اور اس سورہ میں نازل شدہ قانون شہادت زنا کے مطابق چار گواہ پیش نہ کر سکے۔ اس کے لیے ”حدّ قذف“ اسی ۸۰ کوڑے مقرر کی گئی۔

☆ حدّ قذف کے قانون کے اجراء کے بعد جب ہلال بن علیؓ بن امیہ کی بیوی کا واقعہ پیش آیا تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے اس کے لیے ”لعان“ کا قاعدہ مقرر کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ سورہ نور کی آیت نمبر چار کے الفاظ ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ﴾

”اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔“ سے مراد ہر قسم کی تہمت نہیں بلکہ مخصوص طور پر زنا کا الزام ہے اور الزام لگانے والوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ پیش کریں۔ جو پورے اسلامی قانون میں صرف زنا کے لیے ہی ضروری شرط اور نصاب شہادت ہے۔ اور اسی مطالبہ کی بنا پر اجماعی طور پر علماء اُمت نے الزام زنا کو ”قذف“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کی متعینہ قرآنی سزا اسی (۸۰) کوڑوں کو حد میں شمار کیا گیا ہے۔

سورہ نور کی آٹھویں آیت یعنی ”آیت لعان“ حد قذف کی آیات کے کچھ مدت کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ اسلامی قانون کے مطابق ”لعان“ وہ طریقہ تصفیہ ہے جو کسی شوہر کے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگانے کی صورت میں اسلام نے مقرر کیا ہے۔ احناف کے نزدیک قذف کے قانون اور لعان کے قانون میں فرق صرف اس قدر ہے کہ غیر آدمی اگر کسی عورت پر زنا کا الزام لگائے تو اس کے لیے حد قذف اسی ۸۰ کوڑے ہے اور اگر خود شوہر ہی اپنی بیوی پر الزام زنا لگانے کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ لعان کر کے اسی ۸۰ کوڑوں کی سزا سے چھوٹ سکتا ہے۔ باقی تمام حیثیتوں میں لعان اور قذف تقریباً ایک ہی چیز ہے۔ اور واضح رہے کہ آیات لعان کے الفاظ آیت قذف کے الفاظ سے مختلف ہیں اور دونوں کے احکام الگ الگ حکم ہیں۔ مثال کے طور پر آیت قذف کے مطابق حد قذف کا مستحق وہ شخص ہے جو ”پاک دامن عورتوں“ (یعنی قرآن کے الفاظ میں محصنات) پر زنا کا الزام لگاتا ہے۔ لیکن آیت لعان میں پاک دامن بیوی کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ اگر کسی عورت کی زندگی ماضی میں داغدار رہی ہو اور وہ توبہ کر کے کسی شخص سے نکاح کر لیتی ہے تو ایسی صورت میں شوہر کو اس کے سابقہ کردار کی بنا پر اس پر تہمت لگانے کی کھلی چھوٹ آیت لعان سے نہیں مل جاتی۔ لعان کا قانون نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے شادی شدہ جوڑوں کو اس پیچیدگی سے نکالنے کی سہیل پیدا فرمائی ہے۔ جس سے شوہر کے جھوٹے الزام یا اولاد کے نسب سے بے جا انکار کی بدولت ایک بیوی کو یا بیوی کی حقیقی بدکاری یا ناجائز حمل کی صورت میں ایک شوہر کو شدید ذہنی کوفت اور معاشرتی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ اگرچہ قرآن نے لعان کے وقت کھائی جانے

والی قسموں کو ”شہادت“ بتایا ہے، تاہم خود قرآن بھی ان قسموں کو لفظ شہادت سے تعبیر کرنے کے باوجود ”شہادتِ زنا“ قرار نہیں دیتا۔ ورنہ عورت کو چار کی بجائے آٹھ قسمیں کھانے کا حکم دیتا۔ کیونکہ شریعت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر مانی گئی ہے۔

جہاں تک آیت لعان میں ﴿وَيَذَرُوا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ کے الفاظ میں الْعَذَاب سے مراد زنا کی سزا کے نفاذ کی بات ہے۔ تو اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ زنا کی سزا کے نفاذ کے لیے قرآن نے صاف الفاظ میں چار گواہوں کی شرط لگائی ہے۔ اس شرط کو پورا کرنے کے لیے محض ایک شخص کی چار قسمیں کھالینا اس بات کے لیے تو کافی ہے کہ وہ قذف کی سزا سے بچ جائے اور عورت پر لعان کے احکام جاری ہو سکیں، مگر اس کی یہ چار قسمیں عورت پر زنا کا الزام ثابت کرنے کے لیے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتیں۔ زنا کے الزام کے ثبوت کے لیے بہر صورت چار گواہوں کی گواہی ضروری ہے۔ عورت کا جوابی قسمیں کھانا انکارِ شہد ضرور پیدا کرتا ہے، بلکہ صحیح معنی میں بڑا قوی شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لہذا ایسی صورت میں اس پر حد جاری نہیں کی جاسکتی، کیونکہ شریعت کے قانون کے مطابق شہادت پر حد و کا اجراء نہیں ہوتا۔ جہاں تک مرد پر حد قذف کی بات ہے تو اس کا قذف تو ثابت ہی ہے اور اسی لیے تو اس کو لعان پر مجبور کیا جاتا ہے۔ عورت کا معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ اس پر زنا کا الزام ثابت کرنے کے لیے اس کے اپنے اقرار یا چار یعنی شہادتوں کی ضرورت ہے۔ اس لیے ”العذاب“ کا یہ مطلب نکالنا کہ اگر وہ لعان نہیں کرے گی تو اس پر حد زنا لازمی طور پر جاری ہوگی محض غلط فہمی ہے۔ خلاصہ بحث یہ نکلا کہ آیت لعان میں ”العذاب“ سے مراد کسی طرح بھی زنا کی سزا..... رجم یا سوجہ اکوڑے..... نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا صاف مطلب عورت کی خاندان اور ساج میں ایک بدکار عورت کی حیثیت سے بدنامی اور رسوائی کا مستقل عذاب ہے۔ اگر وہ آیت لعان کی شرائط کے مطابق چار قسمیں کھا کر خود کو سچا اور اس گھناؤنے الزام سے بری الذمہ ثابت نہ کر سکی تو بدنامی کا یہ عذاب زندگی بھر اس کے لیے سوہانِ روح بنا رہے گا۔ (هَذَا مَا عِنْدِي وَالْعَلْمُ عِنْدَ اللَّهِ)

اس کے علاوہ آیت کے الفاظ ﴿وَيَذَرُوا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ سے خود بخود یہ بات

مترشح ہوتی ہے کہ شوہر کے اپنی بیوی پر الزام لگانے کے بعد اگر بیوی اس الزام کی صفائی میں چار بار قسم کھانے اور پانچویں بار شوہر کو جھلانے کے لیے الفاظ لعان ادا کرنے سے گریز کرتی ہے تو بلاشبہ وہ اپنے اس عمل کے ذریعہ شوہر کے لگائے ہوئے الزامِ زنا کی بالواسطہ تصدیق کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مگر شرائطِ لعان سے گریز کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اُس نے واضح طور پر اپنی زبان سے زنا کا اقرار کر لیا ہے۔ واضح رہے کہ شریعت اپنے اصول کے مطابق حدِ زنا کے نفاذ کے لیے چار گواہوں کی لازمی شرط کو نظر انداز کر کے صرف شوہر کی اکیلی گواہی پر عورت کے اوپر حدِ زنا کا نفاذ نہیں کرتی۔ اسی طرح بیوی کا اپنی صفائی میں شہادتِ لعان سے گریز اس بات کا قوی ”شبه“ پیدا کرتا ہے کہ شوہر کا الزام درست ہے اور بیوی خطا کار ہے، مگر صرف شبه کی بنیاد پر حد جاری کرنا شریعت کے اصول کے خلاف ہے اس لیے بلاشبہ ﴿وَيَذَرُهَا عَنِ الْعَذَابِ﴾ کے الفاظ میں ”عذاب“ سے مراد حدِ زنا نہیں ہو سکتی۔ عنایت اللہ سبحانی صاحب یا فراتھی فکر کے دیگر تبعین کا اس بات پر اصرار کرنا اور اسے اپنے دعویٰ کی بنیاد بنانا درست نہیں ہے۔

مولانا عنایت اللہ سبحانی صاحب کو اصرار ہے کہ سورہ نور کی آیت نمبر آٹھ میں ”العذاب“ کو مطلق مانا جائے۔ حالانکہ اسی لام عہد کو تعیم اور رسوائی عام کا اشاریہ سمجھا جائے یا اگر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع قرار دے دیا جائے اور ”العذاب“ کو آپ ﷺ کی بیان کردہ یا تجویز کردہ سزا یا عذاب مراد لیا جائے، تو اس میں کون سی قباحت لازم آئے گی؟ سورہ نساء کی آیت کریمہ ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾ میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مقرر کردہ نماز کے اوقات کو اگر عین اللہ کے مقرر کردہ اوقات قرار دیا جاسکتا ہے اور ﴿فَاذْكُرُوهُ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَالَكُمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرہ: ۲۳۹] کے فرمانِ الہی کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی تعلیم عین اللہ کی تعلیم قرار دی جاسکتی ہے۔ لہٰذا تو پھر آخر سورہ نور میں ”العذاب“ کے کنایہ کو بھی رسول اللہ ﷺ

لے ملاحظہ ہو تفسیر ”تذکر قرآن“ مولانا امین احسن اصلاحی ج: ۴، ص: ۱۳۵ (مطبوعہ: مجلس خدام القرآن لاہور بار اول ۱۹۷۱ء، ۱۳۹۱ھ)

کی بتائی ہوئی لعان کی سزا تسلیم کرنے میں کون سی قیامت آجائے گی؟؟

رجم محسن کے مآخذ

اسلامی قانون کے مطابق فعل زنا خواہ بالجبر ہو یا التراضی، ہر صورت میں ایک جرم مستلزم سزا ہے اور شادی شدہ ہو کر اس جرم میں ملوث ہونا شریعت کے نزدیک جرم کی حدت کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ کیونکہ اس طرح نہ صرف یہ کہ مجرم نے کسی سے ”عہد شکنی“ کی بلکہ کسی دوسرے کے بستر پر دست درازی بھی کر ڈالی۔ حالانکہ اس کے لیے اپنی خواہش نفسانی پوری کرنے کے واسطے بیوی کی صورت میں ایک جائز ذریعہ موجود تھا۔ (پھر یہ کہ شریعت نے ایک ہی وقت میں چار تک بیویاں رکھنے میں جو اجازت دی ہے تو کیا اس حلال ذریعہ سے ایسے درندہ صفت انسان کی ہوس اور خواہشات نفسانیہ کا علاج نہیں ہو پاتا جو دوسری کھیتوں میں وہ منہ مارتا پھر رہا ہو؟) زنا کے جرم کا ثبوت مہیا ہو جانے کے بعد زانی اور زانیہ کو دی جانے والی سزا کی نوعیت کے بارے میں فقہاء کے درمیان جو اختلاف ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱..... شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا

امام احمد، داؤد ظاہری اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کے نزدیک پہلے (۱۰۰) سو کوڑے لگانا، اس کے بعد جرم یعنی سنگسار کرنا ہے۔ مذکورہ بالا تینوں فقہاء کے علاوہ باقی تمام فقہائے امت اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی سزا صرف رجم ہے۔ رجم اور سزائے تازیانہ کو جمع نہیں کیا جائے گا۔

۲..... غیر شادی شدہ کے لیے زنا کی سزا

امام شافعی، امام احمد، اسحاق بن راہویہ، داؤد ظاہری اور سفیان ثوری کے علاوہ ابن ابی لیلیٰ اور حسن بن صالح رحمہم اللہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ ایسے مجرموں کو (۱۰۰) سو کوڑے لگانے کے بعد ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ حکم وہ مرد اور عورت دونوں پر لگاتے ہیں۔

امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کے نزدیک مرد کے لیے ۱۰۰ سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور عورت کے لیے صرف (۱۰۰) سو کوڑے سزا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ کا موقف یہ ہے کہ ایسی صورت میں حدِ زنا عورت و مرد کے لیے صرف ۱۰۰ سو کوڑے ہے۔ اس پر کسی اور سزا یعنی قید یا جلاوطنی کا اضافہ نہیں، بلکہ تعزیر ہے۔ ان تمام فقہاء نے اپنی آراء اور مذکورہ بالا اپنے اپنے موقف کی تائید میں صحیح احادیث کو ہی دلیل بنایا ہے۔

مولانا عتایت اللہ سبحانی نے سورہ نساء کی پندرہویں آیت نقل کرنے کے بعد اس کے ایک ٹکڑے ﴿أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ کا مفہوم تلاش کرنے کے لیے صحیح احادیث اور اجماع امت کو چھوڑ کر جس طرح در در کی خاک چھانی ہے، وہ انہیں حاطب اللیل کے زمرے میں شمار کرنے کے لیے کافی ہے..... کاش! وہ امام زحمری اور علامہ رشید رضا مصری اور دیگر قریب و بعید کے مفسرین کی آراء میں سرکھپانے کے بجائے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی اس روایت پر سنجیدگی سے غور و فکر فرماتے جسے مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور امام احمد رحمہم اللہ سب نے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خُذُوا عَنِّي ، خُذُوا عَنِّي فَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا - أَلْبَكُرُ بِالْبَكْرِ جِلْدٌ مِائَةٌ وَ نَفْسِي سَنَةٌ (تَغْرِيْبُ عَامٍ) وَالْثِيْبُ بِالْثِيْبِ جِلْدٌ مِائَةٌ وَالرُّجْمُ)) ۱۰

”مجھ سے لو، مجھ سے لو، اللہ نے زانیہ عورتوں کے لیے طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ غیر شادی شدہ مرد کے غیر شادی شدہ عورت سے زنا کی صورت میں سو (۱۰۰) کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی، اور شادی شدہ مرد کے شادی شدہ عورت سے زنا کرنے پر سو (۱۰۰) کوڑے اور رجم ہے۔ (یعنی پتھروں سے مارنا یا پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا۔)

یہ حدیث اپنی اسناد کے اعتبار سے ”صحیح احادیث“ میں شمار ہوتی ہے۔ لہذا سورہ نساء

۱۰ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنا، حدیث: ۴۴۱۴۔ وسنن ابی داؤد، ج: ۴۱۵

کی آیت نمبر پندرہ کے کھڑے ﴿أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ کا صحیح مفہوم وہی مانا جائے گا جو صاحب قرآن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ”الدر المنثور“ میں مذکورہ بالا آیت کا مفہوم حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ سورہ نساء کی آیت کے نزول کے بعد زنا کرنے والی عورتوں کو قید میں ڈال دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں اس سلسلے کے احکام نازل فرما کر ان کے لیے راہ پیدا کر دی۔ پس سنت یہ قرار پائی کہ جو زانی محسن یعنی شادی شدہ ہوں، انہیں پتھروں سے رجم کیا جائے اور جو کنوارے یعنی غیر محسن ہوں ان کے لیے سو (۱۰۰) کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی بطور تعزیر رکھی گئی ہے۔ ۱۔

اگرچہ یہ بات بھی درست ہے کہ امام سیوطی نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا بتایا ہوا مذکورہ آیت کا مفہوم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ”حسب عادت“ اس ضمن میں حضرت مجاہد اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کردہ وہ مفہوم بھی تحریر کر دیا ہے جو اس بیان سے قدرے مختلف ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے مطابق سورہ نساء کی آیت پندرہ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے ابتداء میں زانیہ عورت کو قید کی سزا دی جاتی تھی۔ اس حالت میں خواہ اس کی موت ہو جائے یا زندہ رہے۔ قید سے رہائی کی کوئی صورت نہیں تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی آیت نازل فرما کر حسب وعدہ ان کے لیے ایک راہ پیدا فرمادی۔ اب اگر کوئی اس طرح کی حرکت کرتا تو اس کو سو کوڑے لگا کر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ لیکن اس روایت کی موجودگی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دیگر احادیث صحیحہ کے مطابق رجم محسن کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی نظیریں، خلفاء راشدین کے تعامل اور اجماع امت کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے۔ تاہم ان دونوں بزرگوں کے اقوال کو جھٹلانے کی بجائے ان کی تشریح کی جائے گی۔ حضرت مجاہد اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ((فَصْنٌ عَمِلَ شَيْئًا جَلِدَ وَأُزِيلَ)) کے ہیں۔ اور اُزِيلَ کے معنی بھیجنے اور پیغام پہنچانے کے بھی ہوتے ہیں، لہذا یہاں یہ مفہوم بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ سورہ نور کی آیات کے نزول کے فوراً بعد شروع میں کچھ

۱۔ ”الدر المنثور“ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ج: ۲، ص: ۳۵۶۔

عرصہ تک یہی قاعدہ قانون رہا ہو کہ زنا کرنے والوں کو محسن اور غیر محسن کا امتیاز کیے بغیر، صرف کوڑے لگا کر شہر سے باہر جلا وطن کر دیا جاتا ہو۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان مبارک کے ذریعہ زانی محسن اور غیر محسن کی سزا میں تفریق فرمادی تو اس کے بعد سے سنت رسول کے مطابق عمل ہونے لگا۔ ہماری اس بات کی تائید ابو داؤد اور مشکوٰۃ کی ایک صحیح حدیث سے ہوتی ہے، جس میں زنا محسن یعنی شادی شدہ شخص کے فعل زنا پر حضور ﷺ کے سزا دینے کا تذکرہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ، قَالَ إِنَّ رَجُلًا زَنَا بِالْمَرْأَةِ فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَجِلْدَ الْحَدِّ ثُمَّ أُخْبِرَ أَنَّهُ مُحْصِنٌ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ)) ۱؎

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا تو آپ ﷺ نے اس پر کوڑوں کی حد جاری فرمادی۔ پھر آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ وہ شادی شدہ ہے تو اس کے رجم کا حکم دے دیا اور اسے رجم کر دیا گیا۔“

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے صحیح بخاری میں ”کتاب الحدود“ کے تحت رجم کے سلسلے میں جتنے بھی باب قائم کیے ہیں ان سب میں ”احسان“ یعنی شادی شدہ کی قید لگائی ہے۔ بطور ثبوت ”کتاب الحدود“ کے باب ۲۱، باب ۲۹ اور باب ۳۱ کی احادیث کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے:

((أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ وَأَيُّمَةُ الْأَمْصَارِ عَلَى أَنَّ الْمُحْصِنَ إِذَا زَنَى عَامِدًا عَالِمًا مُخْتَارًا فَعَلَيْهِ الرُّجْمُ)) ۲؎

”اس بات پر تمام صحابہ کرام اور ممالک اسلامیہ کے آئمہ کرام کا اجماع ہے کہ اگر شادی شدہ جانتے بوجھتے، قصداً اپنے ارادے سے زنا کرے گا تو

۱؎ ابو داؤد / کتاب الحدود / باب رجم ماعزین مالک، ح: ۴۴۳۸

۲؎ فتح الباری ج ۱۲، ص: ۱۱۸

اس کو رجم کی سزا دی جائے گی۔“

مکرمین رجم اپنے زعم باطل کے لیے کتاب و سنت اور اسوۂ نبوی ﷺ سے ایک بھی دلیل اپنے موقف کی حمایت میں نہیں لاسکتے، کیونکہ مھسن کو رجم کرنے کی سزا فقہاء کی تجویز کردہ نہیں ہے، بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس کو تجویز فرمایا اور اپنے سامنے اس پر عمل کرایا ہے۔ شادی شدہ کے فعل زنا پر رجم کی سزا کی تائید میں اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری کی وہ روایت بھی پیش کی جاسکتی ہے، جس میں امام جرالد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ کا ذکر کیا ہے، جو انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایک بھرے مجمع میں دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ آيَةَ الرَّجْمِ فَقَرَأْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا وَعَيْنَاهَا رَجِمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ، فَاَخْشَى اِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ اَنْ يَقُولَ قَائِلٌ وَاللّٰهِ مَا نَجِدُ آيَةَ الرَّجْمِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَيَضْلُوْا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ اَنْزَلَهَا اللّٰهُ وَالرَّجْمُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنَى اِذَا اُحْصِنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْ كَانَ الْحَبْلُ اَوْ لَا عِتْرَافٌ))

”بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے اور ان پر قرآن نازل کیا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ان میں آیت رجم بھی ہے۔ ہم نے رجم کی آیت کو پڑھا، سمجھا اور یاد رکھا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے زنا کار کو رجم کیا ہے اور ہم نے ان کے بعد رجم کی سزا پر عمل کیا ہے، پس مجھے اندیشہ ہے کہ بہت دن گزرنے کے بعد کوئی شخص کہنے لگے گا کہ خدا کی قسم! کتاب اللہ میں ہم کو آیت رجم نہیں ملتی۔ چنانچہ لوگ اللہ کے نازل کردہ ایک فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے، حالانکہ رجم کا حکم کتاب اللہ

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب رجم الحبلی فی الزنا إذا اُحصنت، ح: ۶۸۳۰

۸ میں موجود ہے، ہر اس مرد اور عورت کے لیے جس نے شادی کے بعد زنا کیا ہو۔ جب اس پر گواہوں یا حامل ٹھہر جائے یا وہ زنا کار اقرار کرے۔“

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھرے مجمع میں دیا تھا۔ ایک کثیر تعداد نے اس کو سنا اور لوگوں تک پہنچایا۔ کیونکہ یہ باتیں لوگوں تک پہنچانے کی تاکید حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں کی تھی اور یہ حکم دیا تھا کہ جہاں تک کسی کی سواری جائے یہ باتیں وہاں تک پہنچادی جائیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت اپنی ”صحیح مسلم“ میں ”کتاب الحدود“ باب رجم الثیب فی الزنا کے تحت بیان کی ہے۔ (ملاحظہ ہو حدیث نمبر: ۱۶۹۱) بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی اس مشہور روایت کو اپنی کتب حدیث میں نقل کیا ہے اور اسی روایت سے سب نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا اسلام میں رجم ہی ہے جو سنت سے ثابت ہے۔ دیگر محدثین سے قطع نظر صرف بخاری و مسلم کا کسی روایت پر متفق ہو جانا ہی اصولی طور پر ایک مخلص اور سچے مسلمان کے لیے قیل و قال کے تمام دروازے بند کر دیتا ہے۔ چہ جائیکہ اس مسئلہ پر چودہ سو (۱۴۰۰) سال سے امت کا اجماع و اتفاق بھی ہو۔ ایسی صورت میں سزائے رجم محسن کے بارے میں تشکیک و انکار کی کھلی روش اختیار کرنا اگر خوارج کی ہموالی نہیں تو پھر اور کیا ہے؟؟

بلاشبہ قرآن کریم اور سنت نبوی میں اجراء حدود میں سنگین سزائیں معاشرے کی اصلاح و تطہیر کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ رجم کی سزا بھی ان سنگین سزائوں میں سے ایک ہے جو شادی شدہ افراد کو ارتکاب زنا پر دی جاتی ہے۔ جو لوگ زانی محسن پر اس سزا کی سنگینی کا احساس کر کے لرز اٹھتے ہیں اور اس سزا کا رشتہ صرف محاربین اسلام اور باغیوں سے جوڑنے پر مصر ہیں، وہی لوگ اگر اپنی بیوی کو مشتبہ حالت میں کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھ لیں تو یقیناً اگر وہ غیرت مند ہیں تو اپنی بیوی اور اس کے آٹھ دانوں کو فوری طور پر موت کی گھاٹ اتارنے میں ذرا سا بھی تاامل اور ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ یہ انسانی فطرت ہے۔ تعجب ہے کہ جب شریعت ایک شادی شدہ زانی مرد یا زانی عورت کو یہی سزا یعنی سزائے

رجم..... پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا..... تجویز کرتی ہے تو پھر یہی لوگ ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ اس مسئلہ پر اسوۂ نبوی ﷺ، تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجماع امت پر تشکیک اور عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر ان لوگوں میں انسانیت کی کوئی رمت باقی ہے تو انہیں اس پر بھی نظر کرنی چاہیے کہ جس فعل پر سزائے رجم مقرر کی گئی ہے وہ کس قدر گھناؤنا اور انسانیت سوز ہے۔ فعل رجم خود ایک بڑا جرم ہونے کے علاوہ بہت سے جرائم کا مجموعہ بھی ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ خانہ خانی سلسلے کا نام و نشان باقی نہیں رہتا بلکہ نسل بھی ضائع چلی جاتی ہے۔ کوئی شخص کسی بچہ کی پرورش کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ یتیم خانوں میں ان بچوں کی پرورش ہو جانے کے بعد ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے ماں باپ کون ہیں؟ ماں باپ کی شفقتوں سے محروم ایسے بچے ذہنی طور پر آوارہ اور اکثر بڑے ہو کر جرائم پیشہ بن جاتے ہیں۔ جس سوسائٹی میں زنا عام ہو جائے اس سوسائٹی میں کسی کا نسب محفوظ نہیں رہتا۔ ماں، بہن، بیٹی کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ عورت اپنی عفت و عصمت سے یکسر محروم ہو جاتی ہے۔ اس لیے اسلام نے تمام جرائم میں فحش تر جرم زنا کو قرار دیا ہے اور اس کی سزا بھی انتہائی سخت مقرر فرمائی ہے۔ یعنی غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے سو (۱۰۰) کوڑے، جو برسر عام لگائے جائیں گے۔ شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کے مرتکب ہوں گے تو اسلام نے ان کے لیے رجم یعنی سنگساری کی سزا مقرر کی ہے۔ یہ سزا رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے تعامل اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

خوارج اور معتزلہ کے اجماع میں جو لوگ زانی مھن کے لیے رجم کی سزا سے انکار کرتے ہیں اور انہیں کی طرح اس حکم کو ”قرآن کے خلاف“ قرار دیتے ہیں، وہ فہم قرآن سے قطعی نابلد ہیں۔ بھلے ہی انہوں نے قرآنی علوم میں ایم، اے اور پی، ایچ، ڈی کی مرید ڈگریاں حاصل کیوں نہ کر رکھی ہوں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ خوارج اور معتزلہ بھی یہی کہتے تھے کہ قرآن ﴿الزَّانِي وَالزَّانِيَةُ﴾ کے مطلق الفاظ استعمال کر کے اس کی سزا صرف سو (۱۰۰) کوڑے بیان کرتا ہے۔ لہذا قرآن کی رو سے ہر قسم کے زانی اور زانیہ کی صرف یہ سزا ہے اور زانی مھن کو اس سزا سے الگ کر کے کوئی اور سزا (یعنی

رحم) تجویز کرنا قرآن کی خلاف ورزی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

خوارج اور معتزلہ کا قصور اس کے علاوہ اور کیا تھا کہ انہوں نے دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتے ہوئے، ان سے صرف نظر کر کے قرآن کے معانی و مطالب کو خود سمجھنے اور ان کا مفہوم اپنی عقل سے متعین کرنے کی کوشش کی۔ خواہ وہ تحکیم کے سلسلے میں قرآنی آیت ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ کا معاملہ ہو یا رحم کے بارے میں قرآنی آیت کا منشاء اور مفہوم کی تشریح و تبیین کا واقعہ۔ جس طرح آیت تحکیم کے سلسلے میں ان کا خود ساختہ استدلال غلط تھا اور اسی بنا پر وہ امت مسلمہ سے خارج کیے گئے، ٹھیک اسی طرح رحم کے بارے میں بھی ان کے خیالات زلیخ و ضلال پر مبنی ہیں۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ قرآن کے الفاظ قانونی اعتبار سے اپنا جو وزن رکھتے ہیں، وہی قانونی حیثیت اور وزن اس تشریح کا بھی ہے جو ان قرآنی الفاظ کی رسول اللہ ﷺ نے کی ہو۔ بشرطیکہ صحیح احادیث سے وہ آپ ﷺ سے ثابت ہو..... قرآن نے جس طرح سورہ نور میں الْكَوْنِي وَالزَّائِنِي کے مطلق الفاظ میں حد زنا کے احکام دیئے ہیں، ٹھیک اسی طرح مطلق الفاظ میں السَّارِقِ وَالسَّارِقَةُ کی آیت میں بھی قطع یز کے احکام بیان کیے ہیں۔ اس حکم کو اگر رسول اللہ ﷺ کی ان تشریحات سے مقید نہ کیا جائے جو صحیح احادیث کے ذریعہ آپ ﷺ سے ثابت ہیں تو ان الفاظ کی عمومیت اس بات کی متقاضی ہے کہ ایک چھوٹی سی سوئی یا ایک بیر کی چوری پر بھی آپ آدمی کو سارق قرار دے کر قرآنی حکم کے مطابق اسے پکڑنے کے بعد شانے سے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالیں۔ اسی طرح چور کے سلسلے میں قرآن کے الفاظ:

﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ﴾ ص ۷ کے ظاہری مفہوم کے مطابق لاکھوں کی چوری کرنے والا بھی اگر گرفتار ہوتے ہی کہہ دے کہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں نے اپنے نفس کی اصلاح کر لی ہے تو آپ کو اسے چھوڑ دینا ہوگا۔ قرآن سے اس طرح کی اور بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں، جیسے قرآن عام لفظوں میں حکم دیتا ہے:

۱۔ ترجمہ:..... ”اور جو شخص (چوری جیسے کبیرہ) گناہ سے توبہ کر لے اور اپنی اصلاح بھی، تو اللہ تعالیٰ اسے معاف

﴿ وَأَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ﴾ ” آپس میں خرید و فروخت کرتے وقت گواہ بناؤ۔“

ایسی صورت میں ہماری دوکانوں پر بغیر گواہی کے جو دن رات خرید و فروخت ہو رہی ہے اسے ناجائز ہونا چاہیے۔ یا قرآن صرف اس وقت رہن کی اجازت دیتا ہے جب آدمی سفر میں ہو اور قرض کی دستاویز لکھنے والا کاتب میسر نہ ہو۔ حضر میں اور کاتب کے قابل حصول ہونے کی صورت میں رہن کا جواز قرآن کے خلاف ہونا چاہیے، وغیرہ وغیرہ۔

لہذا جو لوگ سزائے جرم کو قرآن کے مطلق الفاظ سے مقید کر کے انکار کی روش اختیار کرتے ہیں، ان مثالوں سے ان لوگوں کے استدلال کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظام شریعت میں نبی ﷺ کا یہ منصب ناقابل انکار ہے کہ وہ خدا کا حکم پہنچانے کے بعد ہمیں بتائے کہ اس حکم کا منشاء کیا ہے؟ اس پر عمل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ کن معاملات پر اس کا اطلاق ہوگا اور کن معاملات کے لیے دوسرا حکم ہے؟ اس منصب کا انکار صرف اصولی دین ہی کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اس سے اتنی قباحتیں لازم آتی ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ۱۷

علامہ حمید الدین فراہی جو ”جرمِ محسن“ کو خلاف قرآن بتانے اور اس ”سنت ثابتہ“ پر حرف و کلمہ کرنے والوں کے سرخیل اور مقتدی و پیشوا ہیں۔ وہ بھی اپنی کتاب ”احکام الاصول باحکام الرسول“ میں سنت کی مختلف قسموں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی ایک قسم کو شریعت کا ایک مستقل ماخذ قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ فراہی رقمطراز ہیں:

﴿ الْقِسْمُ الثَّلَاثُ مَا لَا نَجِدُهُ فِي الْكِتَابِ وَلَكِنَّ الزِّيَادَةَ مُمْتَحِنَةٌ فَجَعَلْنَا السُّنَّةَ فِيهِ أَصْلًا مُسْتَقِلًّا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَمَرَنَا عُمُومًا بِاطَاعَةِ الرَّسُولِ وَأَمَرَ الرَّسُولَ بِالْحُكْمِ بِمَا يُرِيدُ اللَّهُ تَعَالَى سَوَاءً كَانَ بِالْكِتَابِ أَوْ بِالنُّورِ وَالْحِكْمَةِ الَّتِي مَلَأَ اللَّهُ بِهَا قَلْبَهُ ﴾ ۱۸

۱۷ دیکھئے: تفسیر القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی ج: ۳، ص: ۳۷۷ تفسیر سورہ نور (مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی)

۱۸ ”احکام الاصول باحکام الرسول“ علامہ حمید الدین فراہی

مندرجہ ”الفراہی و اثرہ فی التفسیر“ (مقالہ پی ایچ ڈی) از ڈاکٹر معین الدین الاعظمی بحوالہ: سرمایہ

تحقیقات اسلامی علی گڑھ مارچ ۹۳ء ص: ۸۵، ۸۴

”تیسری قسم وہ ہے جسے ہم کتاب اللہ میں نہیں پاتے، لیکن اس زیادتی کا وہ پوری طرح محل کر سکتی ہے تو اس معاملہ میں ہم نے سنت کو ایک مستقل اصل مانا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو علی الاطلاق رسول کی پیروی کا حکم دیا ہے اور رسول کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے اس چیز کا حکم کرے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ اس سے کچھ فرق نہیں کہ وہ اس کی کتاب کے ذریعہ ہو یا اس نور اور حکمت کے ذریعہ کہ جس سے اس نے اس کے سینے کو بھر رکھا ہے۔“

علامہ فراہی کے اس واضح اعتراف کے بعد ان کے فکر کو متعین کرنے والے کے پاس کہنے کے لیے اور کیا باقی رہ جاتا ہے.....؟؟



فصل سوم

حدِ رجم..... واقعات کی روشنی میں

عہد رسالت میں جن لوگوں کو زنا کے جرم میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے رجم کی سزا دی گئی، ان میں ماعز اسلمی اور عامر یہ دونوں کے واقعات رجم ایسے ہیں جن کی تفصیل ہمیں کتب احادیث میں ملتی ہے۔ بعد کے دور میں فقہاء اسلام نے انہی دونوں افراد کے واقعات رجم کی روشنی میں نفاذِ حدود، خصوصاً حد زنا کے اصول اور فقہی جزئیات مرتب کی ہیں۔

مولانا عنایت اللہ سبحانی نے اپنی کتاب ”حقیقت رجم“ میں ماعز اسلمی اور عامر یہ دونوں کے واقعات رجم کی تفصیلات کو مختلف ٹکڑوں میں پھیلا کر جس طرح بیان کیا ہے اور ان واقعات کا اپنے طور پر ذہنی تجزیہ کر کے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ سارے مباحث ان کی کتاب کے اکتیس ۳۱ صفحات پر محیط ہیں۔ حالانکہ جو باتیں انہوں نے کہی ہیں اور جس انداز سے کہی ہیں اور جو کچھ نتائج ان واقعات سے انہوں نے اخذ کیے ہیں ٹھیک وہی سب باتیں مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ”تدبر قرآن“ کے دو صفحات میں یکجا طور پر بیان کر دی ہیں۔ دونوں کے انداز بیان میں بھی کوئی خاص فرق نہیں۔ اس لیے ہم اس موضوع پر بحث کو مختصر کرنے کے لیے حضرت ماعز اسلمی اور عامر یہ دونوں کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ ان کی تفسیر سے نقل کرنے کے بعد اسی کی روشنی میں گفتگو کا آغاز کریں گے۔

تفسیر تدبر قرآن کی عبارت

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی پوری عبارت ان کی تفسیر ”تدبر قرآن“ کے

صفحات پر اس طرح ہے:

”نبی کریم ﷺ کے عہد میں رجم کا سب سے مشہور واقعہ ماعز اسلمی کے

رجم کا ہے۔ اس شخص کے بارے کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں ان میں نہایت عجیب قسم کا تاقص ہے۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا بھلا مانس تھا اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت بد خصلت گندہ تھا۔ میری رہنمائی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کو رجم کی سزا دلوائی اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ اس وجہ سے میں ان روایات کو ترجیح دیتا ہوں جن سے اس کا وہ کردار سامنے آتا ہے جس کی بنا پر یہ مستحق رجم ٹھہرا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کسی غزوہ کے لیے نکلے تو یہ چپکے سے ڈبک کر بیٹھ جاتا اور مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شریف بہو، بیٹیوں کا تعاقب کرتا۔ بعض روایات سے اس تعاقب کی نوعیت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس طرح تعاقب کرتا جس طرح بکرا بکریوں کا تعاقب کرتا ہے..... آنحضرت ﷺ کو اس کی شرارتوں کی رپورٹ ملتی رہتی تھی، لیکن چونکہ کسی صریح قانون کی گرفت میں یہ نہیں آیا تھا، اس وجہ سے آپ ﷺ نے کوئی اقدام نہیں کیا، بالآخر یہ قانون کی گرفت میں آئی گیا۔ آپ ﷺ نے اس کو بلوا کر نہایت جیسے انداز میں پوچھ گچھ کی۔ وہ تاڑ گیا کہ اب بات چھپانے سے نہیں چھپ سکتی۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ جب یہ اقرار کر لیا تو آپ ﷺ نے اس کے رجم کا حکم دے دیا اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

اس کے رجم کے بعد لوگوں کا عام تاثر جو روایات سے معلوم ہوتا ہے، وہ یہ تھا کہ بہت سے لوگوں نے یہ کہا کہ اس شخص کی شامت نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ نے رجم کے بعد اس کے بارے میں لوگوں کو کف لسان کی ہدایت فرمائی۔ ہم یہاں چند روایات ان کے اصل الفاظ میں نقل کر رہے تاکہ حسب ذیل

امور بالکل واضح ہو کر سامنے آجائیں۔

ایک یہ کہ ماعز نے بھلے مانسوں کی طرح خود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار نہیں کیا تھا، بلکہ وہ اپنے قبیلہ والوں کے اصرار پر حضور ﷺ کی خدمت میں اس توقع پر آیا کہ خود حاضر ہو جانے سے غالباً وہ کسی بڑی سزا سے بچ جائے گا۔ حضور ﷺ کو اس کے جرم کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی اور اس نے آپ کی پوچھ گچھ کے نتیجے میں اقرار جرم کیا۔

دوسرے اس کا کردار ایک نہایت بد خصلت گنڈے کا کردار تھا۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر یہ جنس زدہ بد معاشوں کی طرح عورتوں کا تعاقب کرتا۔

تیسرے یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی مغفرت کے لیے دعا نہیں کی نہ اس کا جنازہ پڑھا۔ جو اس بات کی شہادت ہے کہ اس کو کفر منافق قرار دیا گیا۔

ماعز ابن مالک اسلمی کے بعد دوسرا بڑا واقعہ عامر بن کاہے جو قبیلہ عامر (قبیلہ نجدیہ کی ایک شاخ) کی ایک عورت تھی۔ اس کے بارے میں روایات میں جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے نہ اس کے کردار کے بارے میں کوئی معلومات حاصل ہوتی ہے، نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شادی شدہ تھی۔ تھوڑی بہت جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں ان میں ماعز کے واقعہ ہی کی طرح بہت سے امور باہم متماثل ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شروع میں اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ اپنے اقرار پر مصر رہی تو آپ نے فرمایا: اچھا نہیں مانتی تو جاؤ وضع حمل کے بعد آئیو۔ پھر وہ حمل سے فارغ ہو کر بچے کے ساتھ آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: جا! اب اس کو دودھ پلا، دودھ چھڑانے کے بعد آئیو۔ پھر وہ دودھ چھڑانے کے بعد آئی تو اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا جو اس نے بچے کو کھلا کر حضور ﷺ کو دکھایا تب آپ ﷺ نے اس کے

رحم کا حکم صادر فرمایا۔ اس کے برعکس دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اقرار کیا تو آپ نے اس کو وضع حمل تک ایک انصاری کی گمراہی میں دے دیا۔ وضع حمل کے بعد اس نے اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اس حالت میں رحم نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے چھوٹے بچے کو دودھ پلانے والا بھی کوئی نہیں۔ اس پر انصار میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ رضاعت کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ اس کے بعد آپ نے بغیر کسی توقف کے اس کے رحم کا حکم دے دیا۔۔۔۔۔ روایات کے مطالعہ سے بیان کا یہ تقصیر ہی سامنے نہیں آتا، بلکہ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ کوئی آزاد قسم کی عورت تھی، جس کا نہ کوئی شوہر تھا نہ سرپرست۔“

امین احسن اصلاحی صاحب کی یہ آزاد طویل عبارت جس میں انہوں نے بالکل سلمان رشدی جیسی زبان استعمال کی ہے۔ ان کا اتباع کرتے ہوئے جناب عنایت اللہ سبحانی نے بھی ”حقیقتِ رحم“ میں حضرت ماعز بن مالک اسلمی اور غامدہ یہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں، خوفِ خدا سے بے نیاز ہو کر، ان صحابیوں کے بارے میں اسی طرح ”غندہ، بد معاش اور منافق“ جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے حرم کو نہ نظر یہ کو ثابت کرنے کے لیے ماعز اسلمی اور غامدہ یہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں جو دریدہ ذنی اور دریدہ قلمی دکھائی ہے وہ کسی عالم دین یا پڑھے لکھے فرد کی زبان معلوم نہیں ہوتی۔ اس قسم کی بازاری زبان کو سامنے رکھ کر ہی شاید سلمان رشدی کو بھی صحابہ کرام اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم کے بارے میں وہ گندی زبان اپنی کتاب ”شیطانِ آیات“ میں استعمال کرنے کی جرأت ہوئی ہے جس کی مذمت ساری دنیا کے مسلمانوں نے کی ہے اور حکومتِ ایران نے تو اس ملعون کو قابلِ گردن زدنی قرار دے کر اس کی موت کا فتویٰ تک جاری کر دیا ہے۔

جناب امین احسن اصلاحی اور عنایت اللہ سبحانی دونوں نے حضرت ماعز اور غامدہ رضی اللہ عنہما کو زنا کا ”عادی مجرم“ قرار دیتے ہوئے سزائے رحم کا سزاوار بتایا ہے۔

عنایت اللہ سبحانی نے تو حضرت ماعزؓ کو صحابی تسلیم کرنے سے ہی صاف انکار کر دیا ہے اور ان دونوں کو صحابیوں میں شمار کرنا شرف صحابیت کی توہین بتایا ہے۔ حالانکہ ہماری اور آپ کی طرح صحابہ کرامؓ بھی انسان ہی تھے اور ان سے بھی بہت سی انسانی غلطیوں کا ضد در ہوا ہے۔ لیکن ان غلطیوں کو دوسرے عام انسانوں کی غلطیوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ صحابہ کرام کو ان کے اخلاص، دیدار نبوی اور صحبت نبوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا پروانہ دے دیا ہے۔ ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ ”اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی۔“ جو لوگ صحابہ کرام کی غلطیوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے پروانہ رضا کا انکار کرتے ہیں، وہ اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال رہے ہیں، کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے عظیم و خیر ہونے کے یقین پر حرف آتا ہے۔ جہاں تک صحابہ کرامؓ سے صادر ہونے والی انسانی غلطیوں اور لغزشوں کا سوال ہے تو اس ضمن میں سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی لغزشوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَأَخْرَجُوا عَتَرَتُهُمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَءَاخِرَ سَيِّئًا
عَسَىٰ اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

[التوبة: ۱۰۲]

”دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف اور طے طے عمل کیے، کچھ اچھے عمل کیے اور کچھ برے۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی طرف اپنی رحمت سے متوجہ ہوگا۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔“

جناب عنایت اللہ سبحانی صاحب، جو علوم قرآن میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے چکے ہیں اور سعودی عرب میں عرصہ دراز تک رہنے کے بعد انہیں کلام عرب پر عبور حاصل ہے۔ عربی ادب کا ذوق رکھتے ہیں۔ ﴿عَسَىٰ اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ﴾ کے قرآنی الفاظ کی معنویت کے بارے میں انہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس قسم کا انداز بیان ”ترجیحی فی لَمْحُوبٍ“ کے لیے آتا ہے۔ جناب ماعزؓ اور عامرؓ یہ نبیؐ نے انہیں انہیں انہیں کے نتیجہ میں زنا جیسا شدید جرم ضرور کیا تھا، مگر یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس جرم کی سنگین سزا بھگتنی ہوگی

خود ہی جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتراف گناہ کر لیا اور خود کو پاک کرنے کے لیے نفاذِ حد کی درخواست کی۔ اعتراف گناہ کا یہ امتیاز کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ کسی اور طبقہ میں بھی اس کثرت سے پایا گیا ہے؟

ابو داؤد اور مسلم کی روایت کے مطابق جب عامر بن زینبہ کو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے رجم کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: کیا آپ ﷺ اس زانیہ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ہستی کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ کے ستر افراد پر اس کی توبہ تقسیم کر دی جائے تو سب کی مغفرت کے لیے کافی ہوگی۔ ۱۷

اسی طرح سنن ابی داؤد کی روایت کے مطابق جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کر دیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے دو صحابیوں کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا: ذرا دیکھو تو! اللہ نے تو اس پر پردہ ڈال دیا تھا، مگر اس کے نفس نے اسے نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ کتوں کی طرح وہ سنگسار کر دیا گیا۔ آپ ﷺ کچھ دیر چلتے رہے، یہاں تک کہ آپ کا ایک مرے ہوئے گدھے کے پاس سے گذر ہوا جس کے پیر بالکل اڑ گئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فلاں فلاں کہاں ہیں؟ وہ دونوں بولے: ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم دونوں سواری سے اترو اور اس مردار کا گوشت کھاؤ۔ ان لوگوں نے عرض کیا: اسے کون کھائے گا؟ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے فرمایا: ابھی تم دونوں نے اپنے بھائی کی عزت پر جو حملہ کیا ہے وہ اس مردار کے کھانے سے زیادہ گھناؤنی بات ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس وقت وہ (ماعز سلمی رضی اللہ عنہ) جنت کی نہروں میں تیر رہا ہے۔ ۱۸

۱۷ ابو داؤد ج: ۱، ص: ۳۹۷، مسلم ج: ۲، کتاب الحدود

۱۸ سنن ابی داؤد کتاب الحدود روایت نمبر: ۴۴۲۸

اسی طرح صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے رجم کے بعد کچھ لوگوں نے انہیں برا بھلا کہا تو آپ ﷺ نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

((لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوْ سَعَتْهُمْ))^۵

”اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر پوری امت میں تقسیم کر دی جائے تو سب کی مغفرت اس سے ہو جائے گی۔“

کسی قدر رحمت اور انوس کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ تو ان کے اعترافِ گناہ کو ان کی مقبولیت کا سبب اور پروانہ مغفرت قرار دیں اور فراموشی فکر کے دلدادہ عنایت اللہ سبحانی صاحب اور امین احسن اصلاحی صاحب جیسے ”جدید مفکرین“ اپنے پندِ عالم سے انہیں غنڈہ اور منافق قرار دیں۔^۶

بیس تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا؟

ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ روایات کے آئینہ میں

دور نبوی میں رجم کے جو واقعات پیش آئے ان میں سب سے مشہور واقعہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے رجم سے متعلق ہے۔ اس واقعہ کے سلسلے میں صحیح مسلم میں دو روایتیں آئی ہیں۔ عنایت اللہ سبحانی صاحب نے ”حقیقت رجم“ کے صفحہ (۱۶۴) اور (۱۶۵) پر درج کرتے ہوئے ان کو بنیاد بنا کر ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے کردار پر کچھ اچھالی ہے۔ ان میں سے پہلی حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے سماک بن حرب رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے اور دوسری حدیث کے راوی مشہور صحابی رسول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان دونوں حدیثوں میں راویوں کے تغیر کے ساتھ ساتھ روایت کے الفاظ میں بھی کئی جگہ فرق پایا جاتا ہے۔ پہلی روایت میں ((أُنْتَبِیْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِرَجُلٍ قَصِیْبٍ)) کے الفاظ ہیں۔ جن کا ترجمہ عنایت اللہ سبحانی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ: ”رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک پستہ قد آدمی لایا گیا۔“ دوسری روایت میں ((ماعز بن

۵۔ صحیح مسلم ج: ۲، ص: ۶۸، ۶۷۔ اصح المطابع

مالك أتى رسول الله ﷺ)) کے الفاظ آئے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ: ”ماعر بن مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خود حاضر ہوئے۔“ پہلی روایت میں انہیں دو مرتبہ واپس لوٹائے جانے کا ذکر ہے اور دوسری روایت کے الفاظ میں کئی مرتبہ (مرارا) واپس کیے جانے کا تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ ان دونوں روایتوں میں رسول اللہ ﷺ کے اس تہدیدي خطبہ کا بھی ذکر آیا ہے، جس میں آپ ﷺ نے مدینہ کے پاکیزہ مسلم معاشرے میں بے راہ روی کو فروغ دینے والے عناصر کو قرآن مجید کی سورہ نور میں دی گئی ہدایت ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ کے مطابق سخت ترین الفاظ میں متنبہ کیا تھا اور انہیں عبرت ناک سزا دینے کی آگاہی دی تھی۔ لہذا فراہی فکر کے ان قبحین نے روایت کے اس تہدیدي خطبہ کا ہدف بڑے اطمینان سے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو ٹھہرا کر انہیں ”عادی زنا کار، غنڈہ اور منافق“ تک بنا ڈالا..... ﴿ سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ۝ ﴾

صحیح مسلم کی ان دونوں روایات میں موجود رسول اللہ ﷺ کے اس تہدیدي خطبہ کے حقیقی مفہوم اور مدعا کو سمجھنے کے لیے کہ جس میں ((يَنْبُ نَبِيَّبِ النَّبِيِّسِ يَا نَبِيَّبِ كَنَبِيَّبِ النَّبِيِّسِ)) کے سخت ترین الفاظ آئے ہیں۔ ہمیں ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعہ جرم کے وقت مدینہ کے ماحول اور اس وقت کے حالات کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہوگا۔ جس میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ایک طرف تو ان کے دشمن نمبر ایک یہود بھی آباد تھے، جو اپنی ریشہ دوانیوں کے ذریعہ مسلم معاشرہ میں اضطراب اور انتشار پیدا کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ دوسری طرف وہ ”ففتہ کالم“ عناصر تھے جو مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر رہ رہے تھے اور بظاہر مسلمان کہلاتے تھے۔ سیاسی مصلحت کی بنا پر مسلمانوں کی طرح نماز، روزہ اور دیگر مراسم عبودیت میں بھی شریک دکھائی دیتے تھے۔ حضور ﷺ کی مجالس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ یہ ”منافقین“ بھی ہمیشہ موجود رہا کرتے تھے۔ یہ لوگ اندر سے مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے اور مسلم معاشرہ کے استحصال کے لیے ہمہ وقت کوشاں۔

قرآن مجید کی سورہ نور جس میں مسلمانوں کو معاشرتی احکام دیئے گئے اور حدودِ زنا، قذف اور لعان کے قاعدے متعین کیے گئے ہیں، اسی ”واقعہ انک“ کے نتیجے میں نازل ہوئی تھی، جس کا بانی عبد اللہ بن ابی ربیع المنافقین تھا۔ اس سورہ میں منجملہ دیگر معاشرتی ہدایات و قوانین کے اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی اسلامی معاشرہ کو گندہ کرنے کی مہینہ کوششوں پر عذاب الیم کی بشارت دی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

[النور: ۱۹]

”یعنی جو لوگ اہل ایمان کے اندر بے حیائی پھیلانے کے درپے ہیں ان کے لیے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ کو سب علم ہے جبکہ تم ان سے واقف نہیں ہو۔“

مذکورہ بالا آیت کے الفاظ اور تہدیدیں انداز پر غور فرمائیے تو اس کے مخاطب واضح طور پر گروہ منافقین ہی معلوم ہوتے ہیں۔ تاہم چونکہ اس آیت میں ان کا نام نہیں لیا گیا۔ اس لیے اس سے مراد مدینہ میں بسنے والے یہود بھی قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ بہر صورت قرآن کے احکام و ہدایات کی تشریح اور مفہوم و مدعا کا تعین و تبیین کی ذمہ داری اللہ کے رسول ﷺ پر عائد ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے نہایت بروقت اور مناسب موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب فرمایا اور ان کے ساتھ مجلس میں موجود منافقین کا نام لیے بغیر براہ راست ﴿تخلف احدکم﴾ ”یعنی تم میں سے کوئی فرد (جہاد کے موقع پر) پیچھے راہ جاتا ہے۔“ کے الفاظ سے مخاطب فرما کر تہدید فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اب اگر ان میں سے کسی کو میرے ہتھے چڑھا دیا تو میں اس قسم کے جرم پر اس کو عبرت ناک سزا دیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔

واضح رہے کہ مدینہ میں اس وقت تک سزائے جرم کا نفاذ نبی ﷺ کے حکم سے صرف ”یہود“ پر ان کے ”پرسنل لاء“ یعنی توریت کے مطابق کیا گیا تھا۔ کسی مسلمان کو

رجم کیے جانے کا واقعہ اس وقت تک پیش نہیں آیا تھا۔ پھر جب پہلی مرتبہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے سزائے رجم سنائی اور اس پر عمل ہوا تو اس سنسنی خیز واقعہ کا چرچہ اور بازگشت مدینہ کے گلی کوچوں میں سنائی دینے لگی۔ اس وقت نفسیاتی طور پر ایک عبرت انگیز ماحول بن گیا تھا۔ ایسی صورت میں منافقین مدینہ کو برقت ان کی مذموم حرکتوں پر تشبیہ کرنا ضروری بھی تھا اور کارگر بھی..... حضور ﷺ نے ایسے موقع پر ماحول کی نفسیات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سخت ترین الفاظ میں ان عناصر کو ان کے انجامِ بد سے آگاہ کر دیا۔

دوسری اہم اور قابلِ غور بات اس حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ﴿تَخْلَفُ أَحَدَكُمْ﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے تھے۔ یعنی تم میں سے کوئی فرد پیچھے رہ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی صحابی کی تو یہ جرأت ہو نہیں سکتی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فرمانِ جہاد کو پس پشت ڈال کر مدینہ میں رک جاتا۔ اس صریح نافرمانی کے بعد ایمان ہی کہاں سلامت رہ جاتا ہے۔ قرآن کی سورہ توبہ گواہ ہے کہ جہاد سے جی چرا کر بیٹھنے والے مدینہ میں ہمیشہ صرف اور صرف منافقین ہی ہوتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی اس قسم کی جرأت نہیں کی۔ غزوہ تبوک کے موقع پر باوجود اپنے خلوص اور ارادے کے صرف اتفاق اور تساہلی کی بنا پر تین صحابی (ہلال ابن امیہ، مرارہ ابن ربیع اور کعب ابن مالک رضی اللہ عنہم) شرکتِ جہاد سے محروم رہ گئے تھے۔ حضور ﷺ نے تبوک سے واپسی پر ان حضرات سے جس طرح جواب طلب فرمایا اور پھر ان کے اس غلطی کے اعتراف کے بعد ان تینوں کا سماجی مقاطعہ کرنے کا تمام مسلمانوں کو حکم دے دیا۔ اس کی تفصیل سیرت کی کتابوں اور احادیث صحیحہ میں محفوظ ہے۔ اور اجمالی طور قرآن مجید کی سورہ توبہ میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو: ﴿وَعَلَى الْفَلَقِ الَّذِينَ خَلَقُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَلَّتْ عَلَيْهِمُ الْأَدْرَاسُ﴾ کی تشریح و تفسیر۔ لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ حضور ﷺ کے اس خطبہ میں ﴿تَخْلَفُ أَحَدَكُمْ﴾ سے مراد صحابی رسول حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ تھے، سراسر دھاندلی ہے اور قرآن و حدیث کے صحیح فہم سے محرومی کی دلیل بھی۔

تیسری اور بہم ترین بات یہ ہے کہ اگر بالفرض آپ ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے واقعہ رجم کے فوراً بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھرے مجھے میں ان کے لیے اس قدر سخت الفاظ ارشاد فرمائے تھے، تو پھر سنن ابوداؤد کی روایت کے مطابق حد رجم کے نفاذ کے بعد دو صحابہ کرام کے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے لیے برے الفاظ استعمال کرنے پر آپ ان سے ناراضگی کا اظہار نہ فرماتے اور نہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ یہ اطلاع دیتے کہ اس وقت وہ جنت کی نہروں میں تیر رہا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل اور قرآن کی روشنی میں بلا خوف و خطر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ جس طرح سورہ نور میں مذکور آیت ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُعِظُونَ أَنْ تَسْبِعَ الْفَاحِشَةَ فِي الدِّينِ امْتُوا ﴾ کے مخاطب صحابہ کرام کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح صحیح مسلم کی ان دونوں روایتوں میں حضور ﷺ کے خطبہ میں ((يَنْبُ نَيْبِ النَّبِيِّ)) جیسے سخت الفاظ کا مصداق حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو قرار نہیں دیا جاسکتا۔

صحیح مسلم کی اس پہلی روایت میں ((اُنْبَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِرَجُلٍ قَصِيرٍ)) کے جملے کو لے کر عنایت اللہ سبحانی صاحب کو اصرار ہے کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اعتراف گناہ اور خود کو پاک کرانے کی غرض سے بذات خود خدمت نبوی میں حاضر نہیں ہوئے تھے، بلکہ پڑ کر لائے گئے تھے۔ حالانکہ صحیح مسلم کی وہ اکیلی حدیث جس میں حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں لائے جانے کا ذکر ہے۔ اس کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَقَعَ فِي هَذِهِ الرَّوَايَةِ وَالْمَشْهُورُ بَاقِي الرَّوَايَاتِ أَنَّهُ، أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ طَهِّرْنِي : قَالَ الْعُلَمَاءُ لَا تَنَاقُضُ بَيْنَ الرَّوَايَاتِ فَيَكُونُ قَدْ جِيئَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مِنْ غَيْرِ اسْتِدْعَاءٍ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ جَاءَ فِي غَيْرِ مُسْلِمٍ أَنَّ قَوْمَهُ أَرْسَلُوهُ))^۱

”اس روایت میں لائے گئے کے الفاظ ہیں، مگر مشہور روایتوں میں ہے کہ

وہ خود حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ مجھے پاک کر دیجئے۔ علماء کہتے ہیں کہ اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ وہ نبی ﷺ کے بغیر طلب کے لائے گئے تھے۔ اس لیے کہ مسلم کی روایت کے علاوہ دوسری حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ان کی قوم نے ان کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا تھا، تو راوی نے اس کو لائے گئے کے الفاظ سے ادا کر دیا ہو؟“

مولانا عنایت اللہ سبحانی کی تحریر کردہ صحیح مسلم کی دوسری روایت میں جو انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ”حقیقت رجم“ کے صفحہ نمبر: ۱۶۵ پر تحریر کی ہے۔ اس میں بھی حضرت معاذ سلمی رضی اللہ عنہ کے خود ہی جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے اور اعتراف گناہ کا تذکرہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

« إِنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ يُقَالُ لَهُ، مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ آتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّي أَصَبْتُ فَاِحْشَةً فَأَقِمُّهُ عَلَيَّ فَرَدَّهُ النَّبِيُّ ﷺ مِرَارًا قَالَ؛ ثُمَّ سَأَلَ قَوْمَهُ، فَقَالُوا لَأَنْعَلُمَّ بِهِ بَأْسًا إِلَّا أَنَّهُ، أَصَابَ شَيْئًا نَزَى أَنَّهُ، لَا يُخْرِجُهُ مِنْهُ إِلَّا أَنْ يُقَامَ فِيهِ الْحَدُّ قَالَ: فَرَجَعَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَمَرْنَا أَنْ نَرْجُمَهُ»

”قبیلہ بنی اسلم کا ایک شخص جسے معاذ بن مالک کہا جاتا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: میں نے زنا کیا ہے، مجھے اس کی سزا دی جائے۔ نبی ﷺ نے اس کو کئی بار واپس کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر نبی ﷺ نے اس کی قوم سے دریافت کیا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ اس کے کردار میں کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے سوائے اس جرم کے جو اس سے سرزد ہو گیا ہے (اور جس کا اس نے حضور ﷺ کے سامنے خود ہی اعتراف کیا ہے۔) اور اب اس گناہ کے تدارک کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ اس پر حد قائم کر دی جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ نبی ﷺ کے پاس لوٹ کر آیا تو آپ ﷺ

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنا حدیث: ۴۴۲۸

نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اسے رجم کر دیں۔“

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم کے لوگوں نے ان کے کردار کے بارے میں جو صفائی دی اس میں ان کے یہ الفاظ میں ((لا نعلم به بأساً الا انه اصاب شیعاً یری)) یعنی ان کے کردار میں کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے۔ سوائے اس جرم کے جس میں وہ اب لوٹ ہو گئے ہیں اور جس کا انہوں نے خود ہی حضور ﷺ کے سامنے اعتراف کیا ہے۔ ان کے اہل قبیلہ نے اپنا یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ان کے خیال میں ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے اس گناہ کے تدارک اور کفارے کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے کہ ان پر حد زنا قائم کر دی جائے۔ ((لا یخرجہ منہ الا ان یقام الحد)) اگر بالفرض حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ فرمایا فکر کے متبعین کے خیال کے مطابق ”عادی زنا کار، بد خصلت گنڈے“ اور مدینہ کی شریف بہو بیٹیوں کا اس طرح تعاقب کرنے والے تھے جس طرح بکرا بکریوں کا پیچھا کرتا ہے ((یَنْبُ کَنْبِیْبِ التَّیْسِ)) ہوتے تو ان کا یہ وصف مدینہ میں مشہور ہونا چاہیے تھا اور ان کے خلاف گواہی دینے والے حضور ﷺ کی محفل میں موجود بے شمار افراد مل جاتے اور ان ”معززین“ کی گواہی مقدمہ کی کاروائی کے لیے کافی تھی۔ آخر ان کے اپنے قبیلے ”بنی اسلم“ کے لوگوں کو بلا کر ہی دریافت حال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ظاہری بات ہے کہ کسی شخص کے کردار کی جو باریک ترین خامیاں اس کے اپنوں، رشتہ داروں، اہل خاندان اور اہل محلہ کو معلوم ہوتی ہیں وہ دوسروں کو نہیں ہوتیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اپنے کردار و عمل کے لحاظ سے پہلے سے ”بدنام شخصیت“ نہیں تھے، بلکہ ایک متوازن مومنانہ کردار و صفات کے حامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جب خود آ کر اعتراف گناہ کیا اور خود کو پاک کرنے کے لیے حد زنا جاری کرنے کی درخواست کی تو ان کے مومنانہ کردار و صفات اور ماضی کے ”بے داغ“ ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کو تعجب ہوا۔ آپ ﷺ نے حیرت سے پوچھا کہ کیا تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟ یعنی ان کے منہ سے ایسی بات سن کر حضور ﷺ کو یقین نہیں آیا کہ ایسا نیک اور پاکباز انسان

اور ایسی حرکت کا مرتکب ہو؟..... اگر حضرت ماعز رضی اللہ عنہ ”بد خصلت غنڈے“ اور ”جنس زدہ، عادی زنا کار“ شخص ہوتے تو آپ ﷺ ان کے اعتراف پر حیرت کا اظہار کیوں فرماتے۔ یہی نہیں بلکہ دیگر احادیث کی روایات کے مطابق آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ اس کا منہ سوگٹھ کر دیکھو۔ کہیں اس نے غلطی سے شراب تو نہیں پی رکھی، جس کے نشے میں یہ ایسی انہونی اور اول فول بول رہا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حسب حکم ان کا منہ سوگٹھ کر جواب دیا کہ حضور ﷺ! ایسی کوئی علامت نہیں ہے کہ اس نے شراب پی ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے قبیلہ والوں کو بلا کر استفسار حال فرمایا۔ جب ساری بات واضح ہو گئی تو آپ ﷺ نے جرم کا حکم دے دیا۔ یہ ہے ساری حقیقت جناب ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے قصہِ رجم کی۔

ایک علمی خیانت

اب ذرا مولانا عنایت اللہ سبحانی صاحب کی کارگیری ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف نے صحیح مسلم کی مذکورہ بالا حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے اہل قبیلہ کی صفائی کے الفاظ کے ترجمہ میں کس طرح خیانت مجرمانہ سے کام لیا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

((تُمْ مَسْأَلِ قَوْمَهُ : قَالُوا لَا نَعْلَمُ بِهِ بَأْسًا إِلَّا أَنَّهُ، أَصَابَ شَيْئًا يُرَى أَنَّهُ، لَا يُخْرِجُهُ مِنْهُ إِلَّا أَنْ يُقَامَ الْحَدُّ))

اس کا ترجمہ مولانا سبحانی نے اس طرح کیا ہے:

”پھر اس کی قوم سے دریافت فرمایا تو ان لوگوں نے کہا: ہمیں اس کے دماغ میں کوئی خلل نہیں نظر آتا۔ البتہ اسے ایک ایسی چیز کی لت لگ گئی ہے کہ لوگوں کا خیال ہے؛ اس لت سے اسے کوئی چیز نہیں نکال سکتی۔ اس کی بس ایک ہی شکل ہے کہ اس پر حد زنا جاری کر دی جائے۔“

لا نعلم بہ باسًا کا ترجمہ ”ہمیں اس کے دماغ میں کوئی خلل نظر نہیں آتا۔“ آخر کون سی لغت کے اعتبار سے ہے؟ ہنس کے معنی عربی زبان میں ”بری بات“ برائی یا

۱۔ ”حقیقت رجم“ مولانا عنایت اللہ سبحانی ص: ۱۶۵

خرابی کے ہوتے ہیں۔ سورہ الحجرات میں ارشاد ہے ﴿بِنَسِ الْاِسْمِ الْفُسُوقِ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ج﴾ حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور ﷺ کسی بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو اس کے جسم پر ہاتھ رکھ کر اسے ان الفاظ میں تسلی دیتے تھے:

((لَا بَأْسَ طَهُورًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ))

تو کیا اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا جائے گا کہ:

”تمہارے دماغ میں کوئی خلل نظر نہیں آتا۔ اس لیے تم ان شاء اللہ صحت یاب ہو جاؤ گے؟“

جناب مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمہ اللہ ”صاحب القاموس الجدید“ نے اپنی لغت میں شیء لا باس بہ کے معنی ”نا قابل اعتراض“ تحریر کیے ہیں۔ لہ اس اعتبار سے لا نعلم بہ باسنا کے معنی ”ہمارے علم میں اس کی کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔“ ہوتے ہیں۔

اسی طرح مولانا سبحانی نے ((انہ اصاب شیئا)) کے معنی ”اسے ایک ایسی چیز کی لت لگ گئی ہے۔“ تحریر فرمائے ہیں، جو کسی اعتبار سے بھی درست نہیں۔ محض اپنی بات کی بیچ رکھنے کے لیے اور جناب ماعز اسلمی رحمہ اللہ کے کردار کو مسخ کرنے کی غرض سے انہوں نے جان بوجھ کر شیئا کا ترجمہ ”لت لگنے“ سے کیا ہے ورنہ وہ اتنے نادان بہر حال نہیں ہیں کہ عربی زبان و ادب کے تقاضوں اور کسی لفظ کے لغوی معنی کا شعور نہ رکھتے ہوں۔ مصباح اللغات میں ((اصاب الشیء)) کے معنی ”پانا، صواب سمجھنا“ آتے ہیں۔ لہ اور ”قاموس الجدید میں ((اَصَابَ الشَّيْءَ وَالرَّجُلَ)) کے معنی ”لاحق ہونا“ تحریر ہیں۔ لہ اس لیے حدیث کے الفاظ ((الا انه اصاب شیئا یرى)) کا مطلب اس کے علاوہ کچھ اور کرنا درست نہیں ہوگا:

۱۔ ”قاموس الجدید“ مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمہ اللہ، ص: ۴۲ (کتب خانہ حسینہ دیوبند)

۲۔ مصباح اللغات، مولانا عبدالحفیظ بلیاوی ص: ۴۸۳

۳۔ ”قاموس الجدید“ مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمہ اللہ ص: ۵۲۳

”مگر جو جرم ان پر لاحق ہو گیا ہے، وہ تو ظاہر ہی ہے۔“

لیکن اس کی بجائے زبردستی کھینچ تان کر ترجمہ میں ”لت لگ جانا“ کے الفاظ شامل کرنا تا کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو اپنے دعویٰ کے مطابق ”عادی زنا کار“ ثابت کیا جاسکے۔ اگر ”خیانت مجرمانہ“ نہیں تو پھر اور کیا ہے؟؟

جہاں تک مولانا عنایت اللہ سبحانی کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ تو بلاشبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ولم یصل علیہ کے الفاظ آئے ہیں، مگر دوسری روایتوں میں نماز پڑھنے کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح ابوداؤد کی ایک روایت میں بھی ”وَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْهِ“ موجود ہے، مگر دوسری روایت میں ”صلی علیہ“ کے الفاظ ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔

ملاحظہ ہو:

((فَرُجِمَ حَتَّى مَاتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ خَيْرًا وَصَلَّى عَلَيْهِ)) ۱؎
 ”ان کو رجم کیا گیا اور نبی ﷺ نے ان کے بارے میں اچھے الفاظ ارشاد فرمائے اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔“

امام بخاری اور ابوداؤد کی وہ روایت جس میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے تمام محدثین نے اس کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ روایت حدیث میں ((ان المثبت مقدم علی النافی)) یعنی مثبت حکم منفی پر مقدم ہوتا ہے۔“ کے اصول پر عمل کیا جائے گا۔ ۲؎

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی تمام روایتیں نقل کرنے کے بعد نماز پڑھنے والی روایتوں کو ترجیح دی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ ماعز اور غامدیہ رضی اللہ عنہما کے رجم کی روایتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

۱؎ بخاری شریف، کتاب الحدود/باب الرحم بالمصلی، حدیث: ۶۸۲۰

۲؎ بذل المحمود ج: ۱۷، ص: ۳۸۰ (دار الکتب بیروت)

((وَفِيهِ أَنْ امْرَأَةً تَرْجَمُ إِذَا زَنَتْ وَهِيَ مُحْصَنَةٌ كَمَا يُرْجَمُ الرَّجُلُ وَهَذَا الْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهَا كَانَتْ مُحْصَنَةً لِأَنَّ الْأَحَادِيثَ الصَّحِيحَةَ وَالْإِجْمَاعَ مُتَّابِقَانِ عَلَى أَنَّهُ لَا يُرْجَمُ غَيْرُ مُحْصِنٍ)) بلہ

”اس سے یہ معلوم ہوا کہ عورت کو اس وقت رجم کیا جائے گا۔ جب وہ شادی شدہ ہو جیسا کہ مرد کو شادی شدہ ہونے کی صورت میں رجم کیا جاتا ہے۔ اور یہ حدیث بتا رہی ہے کہ وہ (عامدہ بن زینب) محسنہ تھی۔ اس لیے عام صحیح احادیث اور اجماع اس پر متفق ہیں کہ غیر محسن (یعنی غیر شادی شدہ) کو رجم نہیں کیا جائے گا.....!“

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما پر الزامِ زنا کی حقیقت

صحابی رسول حضرت ماعز بن مالک اسلمی اور عامدہ بن زینب کی کردار کشی اور ان پر کچھ اچھالنے کے بعد عنایت اللہ سبحانی صاحب کار ہوا ر قلم اس قدر خود سر، جری اور بے باک ہو گیا تھا کہ ان کے قابو میں بالکل نہ رہ سکا.....! ”جوش تحقیق“ سے مغلوب ہو کر انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما جیسے جلیل المرتبت صحابی رسول کا دامنِ عفت و عصمت بھی بلا خوف و خطر اپنی نوکِ قلم سے چاک کر ڈالا۔ وہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما جو نہ صرف یہ کہ صلح حدیبیہ میں شریک اور بیعت الرضوان میں شامل ان صحابہ کرام میں شمار ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور خوشنودی کا پروانہ ان الفاظ میں قرآن مجید کی سورہ فتح میں دیا ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ

[الفتح: ۱۸]

مَا فِي قُلُوبِهِمْ﴾

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان مومنین سے راضی ہو گیا جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی اور جو صدق و خلوص ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا۔“

لہ صحیح مسلم مع شرح نووی جلد: ۲، ص: ۶۸

14246

بلکہ وہ ان جلیل القدر اور ممتاز اصحاب رسول میں سے تھے، جن کے خلوص، لہمیت اور انتظامی و حربی صلاحیتوں کا اعتراف ان کے دشمن بھی کرتے تھے۔ ان کی پوری زندگی اسلام کی خدمت میں گزری۔ صلح حدیبیہ کے علاوہ وہ خیبر و تبوک جیسے اہم ترین غزوات میں بھی جناب رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں وہ جنگ یمامہ، جنگ یرموک، جنگ قادسیہ، فتح نہاوند و ہمدان اور فتوح الشام کی جنگی کاروائیوں میں اسلامی لشکر کے ساتھ شریک جہاد رہے۔ جنگ قادسیہ کے موقع پر کسریٰ شاہ ایران کے پاس وفد لے کر جانے والوں میں یہ بھی شامل تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ کے نمائندے عروہ بن مسعود ثقفی سے انہوں نے زبردست بحث و مباحثہ کیا تھا، جس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کی تقریباً سو سو سے زیادہ صحیح احادیث مروی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابو امامہ باہلی، حضرت مسور بن مخزومہ اور حضرت قرہ مزنی رضی اللہ عنہم شامل ہیں اور تابعین میں ان سے روایت کرنے والوں میں قیس بن حازم، ابو دائل اور مسروق تابعی رحمہم اللہ کے علاوہ ان کے بیٹے عروہ، حمزہ اور عفار کے نام ملتے ہیں۔ ۱۰

اگر بالفرض عنایت اللہ سبحانی صاحب کے لگائے ہوئے الزامات کے مطابق حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر زنا کا الزام ثابت ہوتا، تو ان کے کردار کی بنا پر صحابہ کرام یا تابعین ان سے ہرگز روایت نہ کرتے اور امام بخاری رحمہ اللہ جیسے محتاط محدثین ان کی روایات کو اپنی کتابوں میں کبھی شامل نہ کرتے۔ دوسرے اس الزام زنا کے تسلیم کرنے کے بعد بیعت الرضوان میں ان کی شمولیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ”پروانہ رضا“ کی حیثیت بھی مجروح ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ یا تو آپ یہ تسلیم کیجئے کہ نعوذ باللہ خود اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ بیعت الرضوان میں شامل جن اصحاب رسول کو ”پروانہ رضا“ دیا جا رہا ہے ان میں سے ایک آگے چل کر زنا جیسی قبیح حرکت کا مرتکب ہوگا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے بلا

۱۰ تفصیل کے لیے دیکھیے: ”اسد الغابہ“ لابن اثیر ج: ۸، ص: ۲۰۰

استثناء سب ہی شرکاء بیعت الرضوان سے راضی ہونے کا اعلان قیامت تک کے لیے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں کر دیا..... بصورت دیگر اس بات کو ماننے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ارتکاب زنا کا الزام جھوٹا تھا اور وہ ساری روایتیں غلط اور بے بنیاد ہیں جن میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو..... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قریب و مشیر ہونے کی وجہ سے..... بدنام کرنے کے لیے ”دشمنان دین“ نے زنا کے الزام کا ہدف ٹھہرایا ہے اور حصول مقصد کے لیے ان شاطر دشمنوں نے تاریخ کی کتابوں میں تدلیس کر کے ایسی واعی روایات داخل کر دی ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پاکیزہ کردار منسوخ ہو جائے اور ان واقعات کو پڑھ کر عامۃ المسلمین کے دلوں میں ان نفوس قدسیہ کی محبت و عظمت ختم ہو جائے۔ اس طرح دین کا وہ سارا سرمایہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منتقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے۔ اس کی افادیت لازمی طور پر منکوک ہو جائے گی۔ اس کے بعد مسلمانوں کے ایمان و عمل کے قلعہ میں شکاف لگانا بے حد آسان ہوگا۔

عنایت اللہ سجانی صاحب نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر الزام زنا کی تفصیلات المستدرک للحاکم جلد سوم اور المبسوط جلد پنجم کے حوالہ سے اپنی کتاب ”حقیقت رجم“ کے صفحہ ۶۰ تا ۹۷ پر تحریر فرمائی ہیں اور اس کی تائید میں تاریخ طبری کا بھی حوالہ دیا ہے۔ پھر اس کو بنیاد بنا کر یہ مفروضہ قائم کر لیا ہے کہ اس واقعہ میں گواہوں پر ”حد قذف“ جاری نہیں کی گئی بلکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر حد زنا جاری کی گئی تھی..... مولانا سجانی نے اپنے اس ”خانہ ساز“ نظریہ کے لیے کوئی تاریخی شہادت یا حوالہ پیش نہیں کیا، بلکہ یہ سب سراسر ظن و تخمین کی بنیاد پر فرض کر لیا ہے۔ کیونکہ تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ گواہوں کی شہادت ناکافی ہونے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس الزام سے بری کر دیا تھا اور حد قذف گواہوں پر جاری ہوئی تھی۔ مستدرک حاکم سے عنایت اللہ سجانی صاحب نے جو واقعہ نقل کیا ہے۔ اس کی عبارت یوں ہے:

((فَكَبَّرَ عَمْرٌ وَفَرِحَ إِذْ نَجَا الْمُعَيَّرَةُ وَضَرَبَ الْقَوْمَ الْحَدَّ إِلَّا

زیاداً))

”اس وقت حضرت عمر نے اللہ اکبر کہا اور جناب مغیرہ رضی اللہ عنہما کے بچ جانے پر بہت خوش ہوئے اور پھر زیاد کے علاوہ بقیہ گواہوں پر حد قذف جاری کی۔“

اس سے ملتی جلتی روایت ”المبسوط“ میں امام سرخسی نے بھی لکھا ہے:

”پس انہوں نے کہا اللہ اکبر۔ شکر ہے اللہ کا جس نے اپنے رسول ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو رسوا نہیں کیا۔“

عنایت اللہ سبحانی صاحب نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہما کے خلاف گواہی دینے والوں کے زہد و تقویٰ اور ان کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے ابن سعد، امام زلیحی اور خیر الدین زرکلی کی گواہیاں اپنی کتاب ”حقیقتِ جرم“ میں بڑے مطراق کے ساتھ پیش کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس قسم کے گواہوں کی شہادت غیر معتبر ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے لازمی طور پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما جرمِ زنا کے مرتکب قرار پاتے ہیں۔ سبحانی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے؛ کسی فرد کا مجرد طور پر ثقہ ہونا یا اس کا زہد و تقویٰ اس بات کا منافی نہیں ہے کہ کسی موقع پر غلط فہمی کا شکار ہو کر اس کی زبان سے کبھی کوئی بات غلط، خلاف واقعہ یا بے بنیاد نہ نکل سکے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف جو ”الک“ کا دلخراش واقعہ پیش آیا، اس سلسلے میں ساری بے بنیاد افواہیں اور پروپیگنڈہ منافقین مدینہ نے پھیلا یا تھا، مگر اس سے متاثر ہو کر حضرت حسان بن ثابت، حضرت مطح بن اثاثر اور حنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم جیسی ثقہ ہستیوں کی زبان سے بھی ان غلط باتوں کی تائید میں الفاظ نکل گئے تھے، جس کی پاداش میں ان کو حد قذف کے کوڑوں کی سزا بھگتنی پڑی۔ تو کیا جناب عنایت اللہ سبحانی کے مدد و اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کے خلاف گواہی دینے والے ابو بکرہ..... باوجود طریق اللہ کی صفت سے متصف ہونے کے..... کیا اپنے زہد و تقویٰ اور شرف صحابیت میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے زیادہ بڑھ کر ہو سکتے ہیں؟ یا ان کے دوست شہل بن معبد، نافع بن کلدہ اور زیاد مرتبہ کے لحاظ سے حضرت مطح بن اثاثر اور

۱۔ ”المبسوط“ علامہ سرخسی کتاب الحدود ج: ۵، ص: ۳۸

حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سے فائق کہے جاسکتے ہیں؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں، تو پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف گواہوں کے زہد و تقویٰ کی دُہائی دینے سے کیا حاصل.....؟؟؟

عنایت اللہ سبحانی صاحب اپنے ممدوح ”ابو بکرہ“ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں اور ان کی فضیلت پر روایتوں پر روایتیں پیش کرتے چلے جاتے ہیں، حالانکہ یہ صاحب قرآن کے احکام کے مطابق، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ پر زنا کا الزام ثابت نہ کر سکنے کی بنا پر ہمیشہ کے لیے مردود الشہادت قرار پاتے ہیں۔ سورہ نور کی آیت نمبر چار اور پانچ کی تصریح کے مطابق قذف کا الزام لگانے والا شخص اگر ایسی شہادت پیش نہ کر سکے جو اس جرم کا ثبوت ہو تو ایسی صورت میں اس شخص کے لیے تین حکم ہیں:

☆ اسے اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔

☆ اس کی شہادت کسی معاملہ میں کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

☆ وہ فاسق قرار پائے گا۔

واضح رہے کہ مجرم کا عند اللہ فاسق ہونا نفس قذف کا نتیجہ ہے اور عند الناس فاسق ہونا عدالت میں اس کا جرم ثابت ہونے اور اس کے سزا یاب ہونے پر موقوف ہوگا۔ البتہ آیت نمبر پانچ کے فقرے ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا﴾ کے مطابق وہ ”حد قذف“ کی سزا پانے کے بعد اگرچہ ہمیشہ کے لیے مردود الشہادت تو رہے گا، مگر توبہ اور اپنی اصلاح کر لے تو پھر وہ عند اللہ اور عند الناس فاسق شمار نہیں ہوگا۔ امام ابو حنیفہ، امام یوسف، امام محمد، امام زفر کے علاوہ سفیان ثوری، حسن بصری، ابراہیم نخعی، ابن سیرین، مکحول تابعی، سعید بن جبیر، سعید بن مسیب اور قاضی شریح رحمہم اللہ جمعاً جیسی عظیم ہستیاں اسی نظریہ کی قائل ہیں۔ البتہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، حضرت عمر بن عبدالعزیز، مسروق تابعی، ضحاک، مالک بن انس، عکرمہ، مجاہد، طاووس، عطاء، لیث بن سعد اور ابن جریر طبری رحمہم اللہ جمعاً وغیرہم اساطین امت کی رائے یہ ہے کہ آیت ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا﴾ کا تعلق پہلے حکم یعنی حد قذف کے اسی (۸۰) کوڑوں سے تو نہیں ہے، مگر آخری دو حکموں سے ہے۔ یعنی اگر قذف کا مجرم اسی (۸۰)

کوڑوں کی سزا پانے کے بعد توبہ کر لے اور آئندہ کے لیے اسی قسم کی حرکت سے باز رہنے کا عزم مصمم کر لے تو اس کی توبہ اور خود اپنی اصلاح کے بعد اس کی شہادت بھی قبول کی جائے گی اور وہ فاسق بھی شمار نہیں ہوگا۔ ان بزرگوں نے اپنے موقف کی تائید میں دیگر دلائل کے ساتھ ساتھ حضرت عمر کے فیصلے کو بھی پیش نظر رکھا ہے، جو کہ انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے مقدمہ میں دیا تھا۔ بعض روایات کے مطابق گواہوں پر حد جاری کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکرہ اور ان کے دونوں ساتھیوں، شبل بن معبد اور نافع بن کلدہ سے کہا کہ اگر تم لوگ توبہ کر لو یا بالفاظ دیگر اپنے جھوٹ کا اقرار کر لو تو میں آئندہ تمہاری شہادت قبول کروں گا ورنہ نہیں۔ دونوں ساتھیوں نے اقرار کر لیا، مگر ابو بکرہ اپنے قول پر قائم رہے۔ ۷

قاضی ابو بکر ابن العربی کی تصریح کے مطابق، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زنا کے الزام والے مقدمہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مقدمہ کے گواہ ابو بکرہ اور ان کے دو ساتھی شاہدوں کو قذف کی سزا دی تھی۔

اس مقدمہ کی روداد یہ ہے کہ بصرہ کے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ابو بکرہ کے تعلقات کسی بنا پر پہلے سے خراب چل رہے تھے۔ دونوں کے مکان ایک ہی سڑک پر آمنے سامنے واقع تھے۔ ایک روز یکا یک ہوا کے زور سے دونوں کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ ابو بکرہ اپنی کھڑکی بند کرنے کے لیے اٹھے تو ان کی نگاہ سامنے کے کمرے پر پڑی اور انہوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو مباشرت میں مشغول دیکھا۔ اس وقت اتفاق سے ابو بکرہ کے تین دوست، نافع بن کلدہ، زیادہ اور شبل بن معبد بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان دونوں کو اپنے پاس بلایا اور کہا: دیکھو اور گواہ رہو کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کیا کر رہے ہیں؟ دوستوں نے ان سے دریافت کیا: ”یہ عورت کون ہے؟“ ابو بکرہ نے جواب دیا۔ ام جمیل ہے۔ دوسرے دن ابو بکرہ نے اس کی شکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

۷۔ تفسیر القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی ج: ۳، ص: ۳۵۳ (تفسیر سورہ نور)

در بار خلافت میں لکھ بھیجی۔ شکایت ملتے ہی حضرت عمر نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو ان کے عہدے سے معطل کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرے کا گورنر مقرر کر دیا اور ملزم کو گواہوں سمیت مدینہ طلب کر لیا۔ جب مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا تو دو گواہوں نے صاف کہا: ہم نے مغیرہ کو ام جمیل کے ساتھ بالفعل مباشرت میں مشغول دیکھا ہے، مگر تیسرے گواہ زیاد نے کہا کہ عورت صاف نظر نہیں آرہی تھی اور میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ام جمیل ہی تھی۔ حضرت مغیرہ سے جب جرح کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ثابت کر دیا کہ جس جگہ سے یہ لوگ انہیں دیکھ رہے تھے، وہ جگہ اس رخ پر ہے کہ وہاں سے دیکھنے والا عورت کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔ انہوں نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ عورت جس کے ساتھ وہ مباشرت میں مشغول تھے، ام جمیل نہیں بلکہ ان کی بیوی تھی۔ ان کی بیوی ام جمیل سے مشابہہ ہے، اس بات کا ثبوت بھی انہوں نے عدالت کو بہم پہنچا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں طرف کے بیان سننے کے بعد قرآن سے اس بات کا اندازہ لگایا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سچے ہیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں، ایک صوبہ کا گورنر، خود اپنے سرکاری مکان میں جہاں اس کی بیوی اس کے ساتھ رہتی ہو، ایک غیر عورت کو بلا کر زنا نہیں کر سکتا۔ اس لیے ابو بکرہ اور ان کے ساتھیوں کی بے جا بدگمانی اور الزام تراشی مستوجب سزا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو ترمیمی فرما دیا اور ابو بکرہ اور ان کے دونوں ساتھیوں، شہیل بن معبد اور نافع پر حد قذف جاری فرمادی۔ زیاد نے چونکہ الزام کی تائید نہیں کی تھی، بلکہ صرف شبہ کا اظہار کیا تھا، اس لیے شک و شبہ کی بنا پر وہ حد قذف سے بچ گئے۔ اس مقدمہ کی پوری تفصیل ابن العربی نے احکام القرآن میں وضاحت کے ساتھ تحریر کی ہے۔ ۱۷

۱۷ ملاحظہ ہو: "احکام القرآن" قاضی ابوبکر ابن العربی ج: ۲، ص: ۸۸، ۸۹

"تفہیم القرآن" سید ابو الاعلیٰ مودودی ج: ۳، ص: ۳۳۴، ۳۳۵ (تفسیر سورہ نور)

قابل غور بات حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے مقدمہ میں یہ ہے کہ نفس فعل جماع اس میں متفق علیہ تھا۔ یعنی خود حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس بات سے انکار نہ تھا کہ وہ مباشرت کرتے نہیں پائے گئے۔ بلکہ اس مقدمہ میں فیصلہ کن بات یہ تھی کہ عورت کون تھی؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ وہ ان کی بیوی تھی۔ جسے یہ لوگ غلطی سے ام جمیل سمجھ بیٹھے۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بات بھی ثابت کر دی کہ ان کی بیوی اور ام جمیل باہم اس قدر مشابہہ تھیں کہ جس قدر فاصلے اور جتنی روشنی میں واقعہ کا مشاہدہ کیا گیا تھا، اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ عورت ام جمیل ہے۔ ادھر استغاثہ کا ایک گواہ بھی اقرار کر چکا تھا کہ عورت صاف نظر نہیں آ رہی تھی، لہذا سارے قرآن حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جاتے تھے۔ اس لیے حضرت عمر نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ ابوبکرہ مقدمہ میں سزایاب ہونے کے بعد بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے اپنی دیرینہ رنجش یا دلی بغض و عداوت کے بنا پر کھلے عام یہ کہتے رہے کہ ”میں شہادت دیتا ہوں کہ مغیرہ نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔“ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس بات پر دوبارہ مقدمہ ان کے خلاف قائم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس مشورہ کے بعد کہ ابوبکرہ اپنے سابقہ الزام ہی کو دہرا رہے ہیں، اس لیے ان پر دوسرا مقدمہ چلانا درست نہیں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اسی بنیاد پر فقہاء امت نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ سزایافتہ قاذف کو صرف نئے الزام پر دوبارہ گرفت میں لیا جاسکتا ہے۔ سابق الزام کو دہرانے پر اسے سزا نہیں دی جائے گی.....!

حضرت مغیرہ بن شعبہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اگرچہ ”زنا کی شکایت“ ملنے پر معزول کر دیا تھا اور ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر فرما دیا تھا، لیکن جب تحقیق اور مقدمہ کی کارروائی کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بے گناہ ثابت ہو گئے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا اور گورنری کا پروانہ عطا کرتے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور خاص انہیں آگاہ کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے:

”تم کو یاد ہے کہ بصرہ میں تم پر کیسی تہمت لگائی گئی تھی؟ اب تم کو فہم جا رہے ہو تو ذرا وہاں کے لوگوں سے ہوشیار ہو کر رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی کسی سازش میں پھنس جاؤ، کیونکہ بصرہ اور کوفہ کے لوگ بڑے سازشی اور شورہ پشت ہیں۔ بصرہ میں ان سے تمہارا سابقہ پڑ چکا ہے۔“ ۱

بصرہ کے لوگوں کی فتنہ پروری اور شورہ پشتی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بخوبی واقف تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو ہٹانے کے بعد ان کی جگہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اَبْعَثَكَ اِلٰی بَلَدٍ قَدْ عَشَّشَ فِيْهِ الشَّيْطَانُ)) ۲

”(اے ابو موسیٰ) میں تمہیں ایک ایسے شہر میں (گورنر بنا کر) بھیجنا چاہتا ہوں جہاں شیطان نے اپنا گھونسلہ بنا رکھا ہے۔“

یہ سن کر ابو موسیٰ چونک گئے اور بولے: حضرت! میرے ساتھ کچھ مددگار کر دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخواست کو منظور فرمایا اور چھ مددگار یا مشیران کے ہمراہ کر دیئے۔ ۳

کوفہ اور بصرہ شروع ہی سے ”سبائی تحریک“ کے مرکز رہے ہیں۔ عبد اللہ بن سبا یہودی جب مدینہ سے نکالا گیا تو سب سے پہلے وہ بصرہ ہی آیا تھا اور وہاں کے حکیم بن جبلة نامی شخص کے ساتھ مل کر اس نے اپنی سبائی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ اگرچہ ابن سبا کو بصرہ سے بھی راہ فرار اختیار کرنی پڑی تھی، کیونکہ اس وقت کے گورنر کے تدبیر اور فراست ایمانی نے اس شخص کے اسلام دشمن خفیہ عزائم کو جلد ہی بھانپ لیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے اپنے قیام بصرہ کے زمانے میں وہاں کے لوگوں میں فتنہ پروری کے جو بیج بو دیئے تھے، اس کے گل بوٹے کھل کر رہے اور رفتہ رفتہ اہل بصرہ کے دلوں میں بغاوت اور سرکشی

۱ فتح البلدان للبلاذری ص: ۳۴۰

۲ عثمان ذو النورین سعید احمد اکبر آبادی ص: ۱۹۷ بحوالہ فتح البلدان ص: ۳۴۰

کے جراثیم نے اپنا گھر بنا لیا۔ کیونکہ اہل کوفہ کی طرح فساد پسندی اور فتنہ جوئی ان کی بھی سرشت میں داخل تھی۔ بصرے کے لوگ بھی کوفہ والوں کی طرح کچھ دن تک تو ہرنے گورنر کی اطاعت اور فرماں برداری کا مظاہرہ کرتے اور پھر اسی ”پسندیدہ گورنر“ کی عیب جوئی میں لگ جاتے۔ نت نئے بہانے تراش کر اور بے بنیاد الزامات عائد کر کے خلیفہ وقت سے گورنر کی تبدیلی کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس دور میں یہ شرف صرف اہل کوفہ اور اہل بصرہ کو ہی حاصل تھا کہ وہ لوگ اپنی شاطرانہ چالوں سے گورنروں کو تبدیل کرانے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور سخت گیر حکمران کو بھی اپنے دور خلافت میں ان دونوں جگہوں پر بار بار گورنر تبدیل کرنے پڑتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے کوفہ کے حالات سے بددل ہو کر فرمایا تھا:

((من عذیری من اهل الكوفة ان استعملت علیہم القوی

فجروہ ، وان علیہم الضعیف حقرؤہ)) ۱

”خدا کی پناہ، کوفہ کے لوگ بھی عجیب ہیں۔ میں ان پر کوئی مضبوط حاکم بناتا

ہوں تو یہ اس میں کیڑے نکالتے ہیں۔ اور اگر کسی کمزور شخص کو حاکم بناتا

ہوں تو یہ اس کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں۔“

اہل بصرہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے پاکباز، جرأت مند اور مدبر گورنر کے خلاف سازش کر کے ان پر زنا کا الزام لگایا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک شکایت پہنچائی۔ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل بصرہ کی شرکت اور ان کی فساد پسندی سے بخوبی واقف تھے اور انہوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں اہل بصرہ کی سازش کو بھی سمجھ لیا تھا۔ مگر امن عامہ اور انتظامی مصالح کے پیش نظر انہوں نے حضرت مغیرہ کو گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا تقرر کر دیا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر بحیثیت گورنر اپنی بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا اور فاروق اعظم

۱۔ عثمان ذوالنورین ص: ۹۷، ۱۹۶ (بحوالہ فتوح البلدان للبلاذری)

ﷺ کی ہدایت کے مطابق ایسی حکمت عملی اپنائی کہ اہل بصرہ کو دو در فاروقی کے باقی دنوں اور دو در عثمانی کے ابتدائی چھ سالوں تک ان کے خلاف سازش کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بالآخر ۲۹ھ میں اہل بصرہ نے ان کے خلاف سازشوں کے جال بننے شروع کر دیئے اور مختلف انداز سے خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی ﷺ تک ان کی اس منصب سے نااہلی کی بات پہنچائی۔ ایک روایت کے مطابق غیلان بن فرشتہ نامی ایک شخص حضرت عثمان غنی ﷺ سے ملا اور ان کو طعنہ دیا: کیا آپ کو کوئی جوان آدمی نہیں ملتا جو ابوموسیٰ اشعری ﷺ جیسے بوڑھے شخص کو بصرہ کا گورنر بنا رکھا ہے؟ ایک دوسری روایت کے مطابق اہل بصرہ کا ایک طاقتور و فہم دار الخلافہ مدینہ آیا اور حضرت عثمان غنی ﷺ سے اس بات کا پرزور مطالبہ کیا کہ ابوموسیٰ اشعری ﷺ کو گورنری سے ہٹایا جائے۔ اگرچہ اہل بصرہ کے دباؤ اور اصرار پر حضرت عثمان نے ابوموسیٰ اشعری ﷺ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن عامر ﷺ کا تقرر کر دیا تھا، مگر انہیں اس بات کا اچھی طرح یقین تھا کہ اہل بصرہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے، وہ ہرگز اس کے مستحق نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی پوزیشن کی صفائی پیش کرتے ہوئے حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کو لکھا کہ: ”میں نے آپ کو کسی کمزوری یا بددیانتی کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے۔ آپ مہاجرین اور السابقون الاولون میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اور مجھے اس کا اعتراف ہے۔“ ساتھ ہی تحریر فرمایا.....

”میں نے عبداللہ ابن عامر کو حکم دیا ہے کہ وہ تیس ہزار درہم آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔“

یہ ہے اہل بصرہ کی سرشت اور ان کے گورنروں پر الزامات کی حقیقت۔ اس کے بعد بھی اگر عنایت اللہ سبحانی صاحب کی طرف سے حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷺ پر اہل بصرہ

۱۔ ”تاریخ کی مظلوم شخصیتیں“ مولانا عبدالحی فاروقی ص: ۳۳، ۳۴، ۳۵

طبقات ابن سعد ج: ۵، ص: ۳۲

عثمان ذوالنورین ص: ۲۰۲

کے لگائے ہوئے ”الزامِ زنا“ کی تصدیق اور اس پر اصرار باقی رہے تو اسے انصاف کی رو سے اگر ”بغضِ صحابہ“ نہیں کیا تو اسلام کی خدمت کہا جائے گا.....؟؟ ہمارے خیال میں مولانا عنایت اللہ سبحانی کو اس سلسلے میں حدیثِ رسول ﷺ ”اللہ، اللہ فی اصحابی“ یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہوگی اور وہ اگر احساسِ ندامت رکھتے ہوں گے تو خود ہی اپنے ”دامن“ اور ”بندِ قبا“ کا جائزہ لینے کے بعد اپنی اصلاح فرمائیں گے۔



فصل چہارم

صحابیت کی نئی تعبیر!

شرف صحابیت کا معیار

مولانا عنایت اللہ سبحانی نے ”حقیقت رجم“ میں صفحہ نمبر: ۲۴۳ پر ”صحابیت کی تعریف میں بے جا توسع“ کا عنوان قائم کر کے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ اور تمام مشہور محدثین کے متفقہ نظریہ شرف صحابیت کا ضمنتاً ذکر کیا ہے۔ جس میں حالت ایمان کے ساتھ صرف ایک نظر رسول اللہ ﷺ کو دیکھنا اور آپ سے کوئی حدیث یا بات سنا اور روایت کرنا بھی ”صحابی“ ہونے کے لیے کافی بتایا گیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مقدمہ ابن الصلاح کے حوالہ سے ابو مظفر سمعانی مروزی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جس میں نے انہوں نے فرمایا ہے:

”صحابی کی تعریف میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ لغت اور عرف کے لحاظ سے لفظ صحابی کا اطلاق اس پر ہونا چاہیے جس نے نبی اکرم ﷺ کی لمبی صحبت اٹھائی ہو، آپ ﷺ کی مجالس میں زیادہ سے زیادہ شریک رہا ہو اور آپ سے استفادہ کیا ہو، علماء اصول کا نقطہ نظر یہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت سعید ابن مسیب رحمہ اللہ کے سلسلے میں بھی یہی مروی ہے کہ وہ صحابی اسی کو شمار کرتے تھے جس نے سال دو سال رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہو اور آپ کے ساتھ غزوات میں شریک رہا ہو۔“

اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد عنایت اللہ سبحانی صاحب فرماتے ہیں:

”ہمارے نزدیک علماء اصول کا جو نقطہ نظر ہے یا حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے جو بات فرمائی ہے وہ بہت ہی اہم اور حقیقت سے قریب تر ہے۔ صحابیت کا شرف بلاشبہ ایک عظیم شرف ہے، لیکن اس شرف کو تقسیم کرنے کا

۱۴۶: فصل معرفة الصحابة ص:

مجاز اللہ تعالیٰ نے ہمیں نہیں بنایا کہ جتنے وسیع دائرے میں چاہیں اسے لٹاتے پھریں اور جس جس کو چاہیں اس کا تاج پہنچائیں۔“^۱

اس مقام پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر مشاہیر امت محدثین کا شرف صحابیت کے بارے میں متفقہ نظریہ جو ”اجماع امت“ کی شکل اختیار کر چکا ہے، اس کو تو جناب عنایت اللہ سبحانی صاحب نے بڑی آسانی سے اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور ابو مظفر سمعانی مروزی کے ”غیر معتبر“ قول کو، ان محدثین عظام کے فیصلہ کے علی الرغم ”معیار حق“ تسلیم کر لیا..... تاکہ اس کے مطابق حضرت ماعز اسلمی اور غامدیہ رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ پر ”سب و شتم“ کرنے کا جواز ہاتھ آجائے۔ مروزی نے بلا کسی سند اور حوالہ کے صرف ”میں کہتا ہوں“ کے دعویٰ کے ساتھ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کی طرف جو ”بے بنیاد“ بات منسوب کی ہے۔ اس پر بھی سبحانی صاحب نے آنکھ بند کر کے یقین کر لیا۔ حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کی آراء اور ان پر ”اجماع امت“ کے مقابلہ میں، مروزی یا ابن مسیب رحمہ اللہ سے منسوب ان کی ذاتی رائے ایک ”تفرد“ تو قرار دی جاسکتی ہے، مگر اس پر ایمان و عمل کا دار و مدار نہیں کیا جاسکتا..... جہاں تک ابو مظفر سمعانی مروزی کے قول کی بات ہے تو انہوں نے صرف ”علمائے اصول“ کا نظریہ ہی پیش کیا ہے۔ اس نظریہ کی وکالت ہرگز نہیں کی۔ اور نہ ہی انہوں نے یہ وضاحت کی ہے کہ اس نظریہ کے حامل علماء اصول کون کون سے ہیں۔ ایسی صورت میں ان ”مجمول“ علمائے اصول کے نظریات کو آنکھیں بند کر کے کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے، جبکہ تمام محدثین کا موقف اس کے بالکل برعکس ہے۔

علماء اصول کے مذکورہ بالا نظریہ کی تصدیق کرنے کے بعد جناب عنایت اللہ سبحانی

اگلے صفحہ پر اپنے موقف کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”البتہ، وہ لوگ جن کی زندگیوں میں، حب رسول اور اتباع رسول کی کوئی جھلک نہ ہو، جنہوں نے رسول کی حفاظت و مدافعت میں کبھی سر کی بازی نہ

۱۔ ”حقیقت رجم“ عنایت اللہ سبحانی ص: ۲۲۴

لگائی ہو، یا جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کبھی باطل سے پنچہ آ زمانی نہ کی ہو ایسے لوگوں کے سلسلے میں یہ اصرار کرنا کہ وہ صحابہ رسول ہیں، یہ ایک ایسی بات ہے جو بہر صورت کوئی مضبوط بات نہیں کہی جاسکتی۔“ لہ

کیا محترم عنایت اللہ سبحانی صاحب ان لوگوں کی نشاندہی فرمائیں گے یا ان کے نام بتانے کی زحمت گوارا کریں گے جن کو امت مسلمہ نے ”صحابی رسول“ تسلیم کر رکھا ہے در آنحالیکہ ان کی زندگی میں ”حب رسول“ اور ”اتباع رسول“ کا کوئی عنصر نہیں پایا جاتا تھا.....؟ کیا حضرت ماعز اسلمی اور عامر بن عبد اللہ جیسے صحابہ یا صحابیات جو بتقاضائے بشریت، جذباتِ نفس سے مغلوب ہو کر زنا جیسے ”فحیح فعل“ کا ارتکاب کر بیٹھے تھے۔ ان کے اس جرم کے علاوہ..... جس کا انہوں نے خود ہی دربار رسول میں آ کر اعتراف کر لیا تھا اور خود کو پاک کیے جانے کی درخواست کی تھی..... ان صحابہ کی عملی زندگی کی کچھ ایسی ”نجی جھلکیاں“ بھی، عنایت اللہ سبحانی صاحب پیش کر سکتے ہیں جن سے ثابت ہو کہ ان کی کتاب زندگی کے اوراق اتباع رسول اور حب رسول کے جذبوں سے یکسر خالی تھے.....؟؟؟ ((نَبِيْتُ كَنِيْبِ النَّبِيِّ)) کے مجرد الفاظ رسول کا ان کی طرف غلط انتساب اور پھر ”عقلی مدے لڑانے“ کے بعد ان اصحاب رسول کے کردار کو مسخ کرنا اور ان نفوس قدسیہ پر کچھڑا اچھالنا، انسانیت اور شرافت کی آخر کون سی قسم ہے.....؟ شرف صحابیت کے لیے جہاں تک جدال و قتال اور باطل سے پنچہ آ زمانی کی ”شرط اولین“ کی بات ہے تو اس پر ہم ان شاء اللہ جلد ہی مناسب موقع پر گفتگو کریں گے۔

جناب عنایت اللہ سبحانی کی شرف صحابیت پر یہ ساری قیل و قال اور ایں و آں جس مقصد کے لیے تھی، اس کا اظہار بھی انہوں نے چند سطور بعد فورا ہی کر دیا ہے۔ اپنے نفس مدعا کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ سارے لوگ جنہیں عہد رسالت میں رجم کیا گیا، ان کے صحابی یا صحابیہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا، اس لیے کہ

لے ”حقیقت رجم“ مولانا عنایت اللہ سبحانی ص: ۲۳۵

اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ان لوگوں نے آپ کی صحبت اٹھائی تھی یا آپ سے کوئی فیض حاصل کیا تھا۔ لیکن زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے کہ یہ سارے لوگ مشہور اسی حیثیت سے کیے گئے کہ وہ صحابہ یا صحابیات میں سے تھے۔ اور جب یہ بات مشہور کر دی گئی تو پھر ان کے سلسلے میں اُمت کے احساسات انتہائی نازک ہو گئے اور اب کے ان کے سلسلے میں یہ تصور کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا کہ یہ لوگ اپنی سیرت و کردار کے لحاظ سے اسی کے سزاوار تھے کہ اہل زمین کو ان سے نجات دلائی جائے۔ اس کے برعکس یہ سزائے رجم ان کے مناقب میں شمار کی گئی اور وہ چیز جو لعنت و اہانت کی علامت تھی، عزت و سرفرازی کا نشان بن گئی۔ اور محض اسی کی بنیاد پر لوگوں کی نگاہوں میں انہیں وہ عزت و منزلت حاصل ہو گئی جو ان بہت سے جاں نثارانِ رسول ﷺ کو بھی نہ حاصل ہو سکی، جن کی جاں نثاری و فداکاری ہی سچ پوچھو تو تاریخِ اسلام کی جان ہے۔“ ۱۷

آخر میں ”خلاصہ بحث“ کے عنوان سے وہ سارے محدثین اور مفسرین کی تصریحات اور شرفِ صحابیت کی متفقہ آراء کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اپنا یہ فیصلہ سنا دیتے ہیں:

”ما عزالسلی اور ان کے علاوہ جن کو بھی رجم کیا گیا، ان میں سے کسی کے بھی صحابی یا صحابیہ ہونے کی مضبوط دلیل نہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کو صحابی یا صحابیہ کہنا صحابیت کے بلند مقام سے بے خبری کی دلیل ہے۔“ ۱۸

جناب عنایت اللہ سجانی کی اس تحریر کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا لیا جاسکتا ہے کہ وہ تمام ہی اساطینِ امت اور محدثینِ عظام جنہوں نے اپنی ساری حیات مستعار اور سرمایہ زندگی احادیثِ رسول کو سمجھنے، سمجھانے میں صرف کر دیا تھا، سجاتی صاحب کی نگاہ

۱۷ ”حقیقت رجم“ مولانا عنایت اللہ اسد سجانی ص: ۲۳۷

۱۸ ”حقیقت رجم“ عنایت اللہ اسد سجانی ص: ۲۸۱، ۲۸۲

میں، انتہائی غمی، علم فہم سے کورے اور نا آشتائے حقیقت تھے۔ جنہیں اس بات کا بھی شعور و ادراک نہیں تھا کہ ”صحابی“ کس کو کہنا چاہیے اور صحابیت کا بلند مقام اور مرتبہ کیا چیز ہوتا ہے.....؟ حقیقت میں یہ غرورِ علم اور تکبرِ نفس کی وہی کیفیت ہے جس سے اللہ کے آخری رسول ﷺ نے بہ اس الفاظ پناہ مانگی ہے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَلِمْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْلَمْ))

”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم کے شر سے جو مجھے حاصل ہے

اور اس علم کے شر سے بھی جو ابھی تک مجھے نہیں پہنچا۔“

اور تکبرِ نفس کیا چیز ہے؟ اس کی تشریح بھی احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ))

قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ نَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ

حَسَنًا قَالَ : ”إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ - الْكِبَرُ بَطْرٌ

الْحَقُّ وَغَمَطُ النَّاسِ“

”وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے

برابر بھی تکبر ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا: (یا رسول اللہ!) اگر کوئی اچھا کپڑا

اور اچھا جوتا پہننا پسند کرتا ہے، تو کیا اس کو بھی تکبر میں شمار کیا جائے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو

نام ہے حق بات قبول نہ کرنے کا اور دوسروں کو حقیر جاننے کا۔“

بہر نوع! عنایت اللہ سبحانی کی کتاب کے مذکورہ بالا اقتباسات کا مطالعہ کرنے کے

بعد یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ ان کی نگاہ میں احادیثِ رسول ﷺ، ان کی تحفیل اور

تشریح و تبیین میں زندگیاں کھپا دینے والے عظیم محدثین کرام کی متفقہ آراء اور فیصلوں کی

اہمیت و وقعت، نام نہاد ”علماء اصول“ کے مقابلہ میں پرکاش کے برابر بھی نہیں ہے۔ اور یہ

کہ رجم کے سلسلے میں خوارج کے نظریہ کی تائید و توثیق کرنے کے لیے یہ لوگ کسی بھی حد تک جاسکے ہیں.....!

آئیے دیکھیں! ”صحابیت“ کے بارے میں احادیث کے سب سے بڑے شارح اور حافظ حدیث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کیا کہتے ہیں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”مقدمة الاصابة“ میں صحابی کی تعریف اس طرح کی ہے:

((وَالصَّحَابِيُّ مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ ﷺ مُؤْمِنًا وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَيَدْخُلُ فِيهِ مَنْ لَقِيَهُ طَالَتْ مَجَالِسُهُ، أَوْ قَصُرَتْ وَمَنْ رَوَى عَنْهُ أَوْلَمَ يَرُو وَمَنْ غَزَا مَعَهُ، أَوْلَمَ يَغْزُو وَمَنْ رَأَاهُ رُؤْيَةً وَلَوْ لَمْ يُجَالِسْهُ وَمَنْ لَمَ يَرَهُ، لِعَارِضٍ كَالْعَمِي))

”اور صحابی وہ شخص ہے جس نے حالت ایمان میں نبی ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر ہی اس کی موت ہوئی۔ اس تعریف میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے آپ سے ملاقات کی۔ اسے آپ کی ہم نشینی طویل ملی ہو یا کم۔ اس نے آپ ﷺ سے روایت کی ہو یا نہ کی ہو اور آپ کے ساتھ جہاد کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور وہ بھی جس نے ایک نظر آپ ﷺ کو دیکھ لیا اگرچہ اسے آپ ﷺ کی ہم نشینی نہ بھی ملی ہو۔ اور وہ بھی (درجہ صحابیت میں شمار ہوگا) جو مجبوری کی وجہ سے آپ کو دیکھنے سے قاصر رہا ہو، جیسے اندھے پن کی مجبوری۔“

اس تعریف کے لحاظ سے شرف صحابیت کے لیے صرف دو چیزوں کا ہونا ضروری قرار پاتا ہے۔ ایک یہ کہ حالت ایمان میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی ہو۔ دوسرے اس کی زندگی کا خاتمہ ایمان کی حالت میں ہوا ہو۔ ان دو کے علاوہ صحابیت کی تیسری کوئی شرط نہیں، نہ عمر کی، نہ روایت کی، نہ حضور کے ساتھ جہاد میں شرکت کرنے کی نہ طویل ہمنشینی کی اور نہ کوئی دیگر شرط!

۱۔ مقدمة الاصابة حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ج: ۱، ص: ۴

شرح العقائد للنسفی کے حاشیہ پر ملا زادہ نے صحابی کی تعریف یوں کی ہے:

((أَصْحَابٌ جَمْعُ صَاحِبٍ أَوْ جَمْعُ صَحْبٍ مُخَفَّفٍ -

صَحْبٌ بِمَعْنَى صَاحِبٍ وَهُوَ مَنْ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ مُؤْمِنًا بِهِ

سِوَاكَ كَانَ فِي حَالِ الْبُلُوغِ أَوْ قَبْلَهُ، صَحْبُهُ أَمْ لَا))

”اصحاب، صاحب کی جمع ہے یا صحب کی۔ جو کہ صحب بمعنی صاحب کا

مخفف ہے اور وہ ایسا شخص ہوتا تھا جس نے نبی ﷺ پر ایمان رکھتے

ہوئے ان کو دیکھا ہو۔ چاہے زمانہ بلوغ میں یا اس سے پہلے۔ اس نے یہ کہا

ہو کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے یا نہ کہا ہو۔“

اس تعریف میں بھی صحابی ہونے کے لیے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ

کے دیدار کو کافی بتایا گیا ہے خواہ کسی بھی عمر میں نصیب ہوا ہو۔ بالغ یا نابالغ ہونے کی بھی

کوئی قید نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو عہد رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیدا ہونے

والے بچوں کو بھی اس حسن ظن کی بنا پر صحابہ میں شمار کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے نو مولود

بچوں کو آپ کی خدمت میں لاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کی تحنیک فرماتے۔ ان کے

نام رکھتے اور ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے تھے۔ لہذا صحابہ کے جو بچے بھی عہد رسالت

میں پیدا ہوئے ان کے بارے میں غالب گمان یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ضرور

دیکھا ہوگا۔ اور بس ان کے صحابی ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔

محدثین کے موقف سے انحراف کے نتائج

جو لوگ صحابی ہونے کے لیے ایمان کے ساتھ حضور ﷺ کی طویل صحبت ہونے

اور غزوات نبوی میں شرکت کی لازمی شرط لگاتے ہیں ان کا یہ قول امام بخاری، حافظ ابن

۱۔ حاشیہ شرح العقائد للنسفی رحمۃ اللہ علیہ ص: ۱۶۱

۲۔ ”الاصابة“ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ج: ۱، ص: ۴

حجر عسقلانی، حافظ ابن عبدالبر، ملا علی قاری، ملا زادہ اور دیگر محدثین عظام رحمہم اللہ جمعاً نے قطعاً تسلیم نہیں کیا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں نہ صرف وہ تمام صحابہ کرام غیر صحابی قرار پائیں گے جن کی عمریں وفاتِ نبوی کے وقت چار، چھ سال یا اس سے کچھ زیادہ رہی ہوں، بلکہ خود نواسر رسول حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی شرف صحابیت سے محروم سمجھے جائیں گے، کیونکہ ان کی عمریں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت علی الترتیب آٹھ اور سات سال سے زیادہ نہیں تھیں۔ ان میں سے ایام رضاعت کے دو ڈھائی سال کم کر دیئے جائیں تو ان کی صحبت رسول کی مدت اور گھٹ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے کی شرط کا تعلق ہے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بچوں کو جہاد پر لے جانے سے گریز فرماتے تھے، اس لیے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کرنے کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح اس شرط کے لگانے سے بھی ان دونوں نواسر رسول کا شرف صحابیت مجروح ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو وفاتِ رسول کے وقت دس سال کے تھے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جیسے کثیر الروایات صحابی بھی غزوات میں شرکت کی شرط کے بعد ”صحابی“ کہلانے کے مستحق نہیں رہتے۔

اس طرح جناب عنایت اللہ سبحانی کے اس خود ساختہ اصول صحابیت کی زد میں نہ جانے کیسی کیسی ہستیاں آ جائیں گی۔ حالانکہ امت مسلمہ کے نزدیک نہ صرف حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی صحابیت متفق علیہ ہے، بلکہ عبداللہ بن زبیر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما وغیرہ بھی شرف صحابیت میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے تو باوجود کسی کے کم از کم تین مرفوع حدیثیں محدثین کرام نے نقل کی ہیں۔ ان میں سے دو روایتیں ہم سنن کبریٰ کے حوالہ سے پیش کر رہے ہیں۔

﴿عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي وَتَرِي إِذْ رَفَعْتُ رَأْسِي وَلَمْ يَبْقَى إِلَّا اللَّهُمَّ اهْدِنِي..... الخ﴾ ۱۰

۱۰ السنن الکبریٰ للبیہقی ج : ۳، ص : ۳۸، ۳۹

”حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے وتر میں جب میں نے اپنا سر (رکوع) سے اٹھایا اور (نماز کے ارکان میں سے) سجدوں کے سوا کچھ باقی نہ تھا یہ دعا سکھائی۔) (اللَّهُمَّ اهْدِنِي لِمَنْ هَدَيْتَ الخ))

☆ ((قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ مَا تَذْكُرُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَ يَقُولُ دَعَا مَا يُرِيكَ)) له

” (ابو الحوراء کہتے ہیں کہ) میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے پوچھا: آپ کو رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی بات یاد ہے؟ تو انہوں فرمایا: آنحضرت ﷺ فرماتے تھے: ”دَعَا مَا يُرِيكَ“ (جو بات تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو۔)

جناب عنایت اللہ سبحانی کے اس مفروضے کو درست تسلیم کر لینے کے بعد کہ صحابی وہ نہیں ہے جس نے حالتِ ایمان میں صرف ایک نظر حضور رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو اور ایمان پر ہی اس کی موت ہوئی ہو بلکہ صرف وہ ہے جس نے نبی ﷺ کی طویل صحبت پائی ہو، آپ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ ذہن میں کئی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد ”عام الوفود“ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جزیرۃ العرب کے اطراف و اکناف سے بے شمار وفد آنے لگے۔ وہ لوگ آپ ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لاتے تھے اور پھر اک دور روز قیام کر کے دین اسلام کے ضروری امور و مسائل حضور سے دریافت کرنے اور سیکھنے کے بعد واپس چلے جاتے تھے۔ ان وفود میں سے بیشتر ایسے تھے، جن کو دوبارہ مدینہ منورہ آ کر رسول اللہ ﷺ کا دیدار اور صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ تو کیا یہ سارے لوگ شرفِ صحابیت سے محروم کہلائیں گے؟ یہ لوگ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے صرف حضور ﷺ کا دیدار کیا تھا، اگر سبحانی صاحب کی شرائط کے مطابق ”صحابی“ نہیں تو پھر انہیں کیا کہیں گے؟ تابعی؟ تبع تابعی؟ یا پھر ہماری آپ کی طرح عام مسلمان؟ ظاہر ہے کہ ہم اور آپ

نے تو رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہیں ہے۔ لہذا ہم اور وہ لوگ کسی طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ فارسی کا مقولہ ہے: شنیدہ کے بود مانند دیدہ! یعنی سننے والا شخص دیکھنے والے کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟ بہر حال ان کو بطور امتیاز کوئی نام تو دینا ہی ہوگا؟ اور پھر صحبت، ایک آن کی بھی اصولی طور پر صحبت ہی کہلائے گی اور طویل مدت کی رفاقت اور ساتھ بھی صحبت میں ہی شمار ہوگا۔ ٹھیک اس طرح کہ اگر کوئی ہمیں سر راہ ایک منٹ کے لیے ملا ہو تو بھی ہم یہی کہتے ہیں کہ فلاں سے ملاقات ہوئی تھی اور جس شخص نے گھنٹوں ملاقات میں وقت صرف کیا ہوا ہے، ہم اس کے طول اور مدت سے قطع نظر لفظ ملاقات ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح چند لمحوں کی ملاقات بھی صحبت میں داخل ہے اور عرصہ دراز کا ساتھ بھی صحبت و رفاقت میں شمار ہوتا ہے۔

البتہ: دونوں قسم کی کیفیت صحبت، مدارج اور اس کے فوائد و مراتب اور مناقب الگ الگ ہوں گے۔ جس نے زیادہ دنوں تک صحبت اٹھائی ہوگی وہ اس شخصیت سے زیادہ مستفید ہوا ہے۔ اسی لحاظ سے اس کی اہمیت اور مرتبہ بھی بلند ہوگا۔ اور جس نے نسبتاً کم مدت فیض حاصل کیا اسی لحاظ سے اس کا رتبہ کم ہوگا۔ کسی بادشاہ کے درباری ہونے کی نسبت سے اس کے مصاحبین خاص اور عام درباریوں میں صحبت شامی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ کیونکہ دونوں ہی بادشاہ کے ہم نشینوں میں شمار ہوتے ہیں، مگر مرتبہ کے لحاظ سے عام درباری اور مصاحبین خصوصی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح تمام حضرات صحابہ کرام نفس صحبت کے لحاظ سے یکساں طور پر ”صحابی رسول“ ہیں، مگر ان کے باہمی مراتب اور درجات میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ کچھ لوگ ان میں سے السابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں۔ کچھ صحابہ کو ”بدریت“ کا تمغہ امتیاز حاصل ہے اور بہت سے صحابہ ”بیعت الرضوان“ میں شرکت والے شرف سے ممتاز ہیں۔ کچھ مخصوص صحابہ کو ”عشرۃ مبشرہ“ کہا جاتا ہے اور بہت سے صحابی جو فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے ”طلقاء“ میں شمار ہوتے ہیں.....! کیا ان سب کو محمدؐ میں نے ایک برابر اور ایک ہی درجہ کا ”صحابی“ قرار دیا ہے.....؟

احادیث صحیحہ کی تصریح کے مطابق ”حجۃ الوداع“ کے مبارک موقع پر کم و بیش ایک لاکھ پچیس ہزار ”صحابہ کرام“ کا مجمع تھا۔ کیا یہ سارے کے سارے ”صحابی“ کہلانے والے افراد ہمہ وقت رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں ”حاضر باش“ ہوتے تھے؟ اس وقت تو مدینہ کی کل آبادی بھی چند ہزار سے زیادہ نفوس پر مشتمل نہ تھی۔ پھر کیسے ان سب شرکاء حجۃ الوداع کو تمام محدثین اور مؤرخین نے ”صحابہ“ میں شمار کر لیا، جبکہ عنایت اللہ سبحانی صاحب کے فلسفہ کے مطابق شرف صحابیت کے اطلاق کے لیے ہمہ وقت کی صحبت بلکہ طویل مدت صحبت اور شرکت غزوات اشد ضروری ہے..... کیا یہ تمام شرائط ”حجۃ الوداع“ کے سب شرکاء میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں.....؟؟



فصل پنجم

فقہاء اور محدثین کا صحیح موقف

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا موقفِ جرم

محدث شہیر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی کتاب ”مشکلات القرآن“ کا مندرجہ ذیل اقتباس جناب عنایت اللہ سبحانی صاحب نے اپنے موقفِ انکارِ جرمِ محسن کے سلسلے میں بڑے طمطراق کے ساتھ پیش کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ”علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے نزدیک سو (۱۰۰) کوڑوں کی سزا جو بطور حد قرآن پاک میں بیان ہوئی ہے، وہ کسی مخصوص حالات کے لیے نہیں ہے بلکہ ہر بکرہ حثیب، محسن وغیر محسن اور شادی شدہ یا غیر شادی شدہ سب کے لیے ہے اور ان سب پر لاگو ہوگی۔“ دوسرے یہ کہ: ”سو کوڑوں کی سزا ہی اصل حد زنا ہے۔ اور جرم کی حیثیت ایک ثانوی سزا کی ہے۔ گویا یہ قاضی اور امام کی صواب دید پر ہے۔ وہ جس مجرم کو مناسب سمجھے، جرم کرائے اور جس کو مناسب سمجھے سو (۱۰۰) کوڑے لگوا کر چھوڑ دے۔ دوسرے لفظوں میں اس کی حیثیت اصطلاحی معنوں میں حد کی نہیں بلکہ تعزیر کی ہے۔“ ۱

آئیے دیکھیں! علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی عبارتوں کا جو مطلب عنایت اللہ سبحانی صاحب نے اخذ کیا ہے وہ کس حد تک درست ہے اور کہاں سبحانی صاحب کی فہم رسا نے ٹھوکر کھائی ہے؟؟

علامہ کشمیری رحمہ اللہ ”مشکلات القرآن“ میں سورہ نور کی آیت ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ ۱ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((وَالَّذِي يَظْهَرُ فِي حِدِّ الزَّانَا أَنَّهُ، إِنَّمَا تَعْرَضُ لِلْجَلْدِ صَرِيحًا وَ لِلرَّجْمِ إِيمَاءً فِي الْمَائِدَةِ لِلتَّرْغِيبِ فِي تَقْلِيلِهِ حَتَّى نَدْب تَلْقِينُهُ

۱ ”حقیقتِ جرم“ عنایت اللہ سبحانی ص: ۲۲۶ ۲ آیت ۲: ”بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو (۱۰۰) دڑے مارو..... الخ“

الرَّجُوعُ وَاعْتَنَى بِهِ الشَّرْعُ وَالْجِلْدُ لَا بُدَّ مِنْهُ وَكَانَ الشَّرْعُ رَغَبَ فِيهِ فَأَعْلَنَهُ، بِخِلَافِ الرَّجْمِ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ ثُمَّ التَّغْرِيبُ وَكَانَهُ بَدْلُ الْحَبْسِ وَالرَّجْمِ زَائِدَانِ عَلَيْهِ قَدْ يَكُونَانِ وَقَدْ لَا ۝۱۱۵

”جو چیز حد زنا کے سلسلے میں سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ کوڑے لگانے کا حکم تو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور رجم کا حکم سورہ مائدہ میں اشارۃً بیان ہوا ہے، اس کا منشاء اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ رجم کو کم سے کم نافذ کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اس پر یہاں تک ابھارا گیا ہے کہ زانی کو اپنے اعتراف سے رجوع کر لینے کی تلقین کی جائے اور شریعت نے اس کا لحاظ بھی کیا ہے، البتہ کوڑے لگانا ناگزیر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ شریعت نے اس کی ترغیب دی ہے۔ اس لیے واضح لفظوں میں اس کا اعلان کر دیا ہے۔ اس کے برخلاف رجم کی طرف محض اشارہ کیا ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ جلاوطنی جو غالباً قید کے قائم مقام ہے اور رجم کے، یہ دونوں سزائیں کوڑوں کے علاوہ ہیں۔ یعنی کبھی نافذ ہوں گی اور کبھی نہیں بھی ہوں گی۔“

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا عبارت میں حد زنا کی یہ تشریح کی ہے کہ جلد یعنی کوڑے لگانے کا حکم تو قرآن میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، البتہ رجم کے لیے اشارہ سورہ مائدہ میں موجود ہے۔ اور علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خیال کے مطابق دونوں قسم کی حدود زنا کی تمیز میں جلد کے صریحاً اور رجم کے لیے ایماء کی تفریق کا مقصد صرف یہ ہے کہ رجم کو کم سے کم نافذ کرنے کی ترغیب دی جائے۔ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس خیال کی تائید میں شریعت کے اس اصول کو پیش کیا ہے جس میں زانی کو اپنے اعتراف سے رجوع کر لینے کی تلقین کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”مشکلات القرآن“ کے صفحہ نمبر: ۲۱۳ پر بلاشبہ زنا کی ناگزیر سزا سو کوڑے بتائی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ سزائے رجم کا انکار کرتے ہیں، بلکہ انہوں نے

۱۔ ”مشکلات القرآن“ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ص: ۲۱۳

نے اس موقع پر حدیث نبوی ﷺ ((خُذُوا عَنِّي ، خُذُوا عَنِّي)) کی ہدایت کے مطابق اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شادی شدہ زانی اور غیر شادی شدہ کے لیے پہلے کوڑے لگانا ناگزیر امر ہے۔ پھر اس کے بعد غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں اسے بطور تعزیر جلا وطن کر دیا جائے گا اور شادی شدہ کو رجم کی سزا ہوگی۔ علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے الفاظ میں:

((ثُمَّ التَّغْرِيبُ وَكَانَهُ بَدَلُ الْحَبْسِ وَالرَّجْمِ زَائِدَانِ عَلَيْهِ قَدْ يَكُونَانِ وَقَدْ لَا))
[مشكلات القرآن ص: ۲۱۳]

”پھر جلا وطنی، جو قید کی قائم مقام ہے اور رجم۔ یہ دونوں سزائیں کوڑوں کے علاوہ ہیں۔ یعنی کبھی نافذ ہوں گی اور کبھی نافذ نہیں ہوں گی۔“

علامہ کشمیری کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ جلا وطنی کا شمار چونکہ حد کے بجائے تعزیر میں ہوتا ہے۔ لہذا اس کا نفاذ تو قاضی یا عدالت کی صواب دید پر ہوگا اور سزائے رجم بھی باوجود حد شرعی ہونے کے بعض مخصوص حالات میں نافذ نہیں ہوگی۔ اور وہ مخصوص حالات کیا ہو سکتے ہیں؟ ان کی تشریح بھی علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے ”مشكلات القرآن“ کے اسی صفحہ نمبر ۲۱۳ پر فرمادی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

((وَقَدْ يَسْقُطُ الرَّجْمُ بِشُبُهَةِ الْمَحَلِّ وَالْفِعْلِ وَالْعَقْدِ وَالِدَّعْوَى بِأَنَّهَا زَوْجَتُهُ، وَإِنْ كَانَتْ زَوْجَةً لِغَيْرِهِ وَإِنْ بَدُونِ بَيِّنَةٍ))

”اور رجم ساقط ہو جاتا ہے، اگر محل میں یا فعل میں یا عقد میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے یا وہ یہ دعویٰ کر دے کہ وہ اس کی بیوی ہے، اگر چہ فی الواقع وہ کسی اور کی بیوی ہو۔ اور اگر چہ اس کے دعویٰ کے لیے کوئی ثبوت نہ ہو۔“

تقریباً اسی سے ملتی جلتی بات علامہ کشمیری نے ”فیض الباری“ میں ”باب رجم المحصن“ کے تحت فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

((إِنَّ أَصْلَ الْحَدِّ فِيهِ مَا ذَكَرَهُ الْقُرْآنُ وَهُوَ الْجُلْدُ ، أَمَا الرَّجْمُ فَحَدُّ الثَّانَوِيِّ))

”زنا کے سلسلے میں بنیادی حد وہی ہے جو قرآن نے بیان کی ہے۔ رہا رجم کرنا؟ تو وہ بھی حد ہے۔ مگر اس کی حیثیت ثانوی ہے۔“

پھر اس بات کی مزید تشریح انہوں نے ”فیض الباری جلد چہارم“ میں اس طرح کی ہے:

((فَكَانَ الْجَلْدُ حَدًّا مَقْضُودًا لَا يُنْفَكُ عَنْهُ رَجَالٌ وَأَمَّا الرَّجْمُ فَهَذَا وَإِنْ كَانَ حَدًّا لَكِنَّ الْمَقْضُودَ دَرُؤُهُ مَتَى مَا أَمَّكَنَ)) ۱۷

”لہذا کوڑے لگانا تو حد مطلوب ہے جو کسی حال میں نہیں چھوڑی جاسکتی اور رہا رجم تو وہ بھی اگرچہ حد ہی ہے، مگر شریعت کا منشاء یہ ہے کہ حتی الامکان اسے ٹالنے کی کوشش کی جائے۔“

”فیض الباری“ کی ان دونوں عبارتوں کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ خدا نخواستہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی خوارج اور فرہی مکتب فکر والوں کی طرح شادی شدہ زانی کے رجم کے منکر ہیں۔ بلکہ وہ یہاں صرف یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ((خُذُوا عَنِّي ، خُذُوا عَنِّي)) کی تصریح کے مطابق غیر شادی شدہ اور شادی شدہ دونوں قسم کے مجرمین زنا کو ہر صورت میں پہلے سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ اس کے بعد صورت حال کے مطابق اگر غیر شادی شدہ ہے تو اسے جلا وطن کر دیا جائے گا اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں اسے رجم کیا جائے گا۔

البتہ: ((اِذْرُوا الْحُدُودَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ)) والی حدیث کے پیش نظر رجم کو حتی الامکان ٹالنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس لحاظ سے اصل حد، جو ٹالی نہیں جاسکتی جلد یعنی کوڑوں کی سزا ہے۔ اور رجم کی حیثیت ثانوی سزا ہے، جس کو مخصوص حالات میں ٹالا بھی جاسکتا ہے۔ اور ان مخصوص حالات کا ذکر بھی علامہ کشمیری نے اپنی کتاب ”مشکلات القرآن“ کے صفحہ نمبر ۲۱۳ پر وضاحت سے کر دیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ”فیض الباری“ کی اس تحریر کا صاف مطلب یہ ہوا کہ علامہ کشمیری زانی محسن کی سزا کے سلسلے میں امام احمد بن حنبل، داؤد ظاہری اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

۱۷ ”فیض الباری“ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ج: ۴، ص: ۴۳۸

کے اس موقف کی پوری طرح تائید کرتے ہیں کہ ایسے مجرم کو رجم سے پہلے سو کوڑے ضرور لگائے جائیں گے اور اس میں کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ لیکن ان تینوں فقہاء کے علاوہ باقی تمام فقہاء امت کا جو یہ نظریہ ہے کہ زانی محسن کی سزا صرف ”رجم“ ہے۔ اور رجم اور سزائے تازیانہ کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ اس بات کو علامہ کشمیری رحمہ اللہ تسلیم نہیں کرتے۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

بہر کیف! ”رجم محسن“ کے بارے میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا اصل موقف دیگر فقہائے امت کی یہ نسبت زیادہ ہی سخت ہے۔ جو ان کی کتابوں ”مشکلات القرآن، فیض الباری“ اور دیگر تحریروں سے واضح ہوتا ہے۔ اور وہ بس یہی ہے۔ یعنی پہلے سو کوڑے پھر رجم!

علامہ کشمیری کے فرزند اور جانشین، محدثِ جلیل حضرت مولانا انظر شاہ مسعودی مدظلہ العالی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ لہذا عنایت اللہ سبحانی صاحب کا ان پر یہ الزام لگانا کہ وہ بھی رجم محسن کے مخالفین میں سے تھے۔ مولانا انظر شاہ صاحب ہی کے الفاظ میں ”صریح علمی خیانت اور ان پر بڑا ظلم ہے۔“

مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کا نظریہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبید اللہ سندھی بلاشبہ دیوبندی کتب فکر کی انتہائی اہم شخصیت ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر ”المہام الرحمن“ جلد دوم میں رجم کے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، اس کا یہ مطلب نکالنا درست نہیں کہ وہ اجماع امت کے علی الرغم شادی شدہ زانی کے لیے سزائے رجم کے نفاذ کو غلط سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شادی شدہ افراد کے اقدامِ زنا پر رجم ہی کے قائل تھے۔ البتہ ان کے اپنے قیاس کے مطابق وہ رجم کو ”حد“ کے بجائے ”تعزیر“ میں شمار کرتے تھے۔ لیکن یہ بات اتنی اہم نہیں جس کی بنیاد پر انہیں منکرینِ رجم کا ہموافق قرار دیا جائے۔ اسلافِ کارجم کے بارے میں جو متفقہ فیصلہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں

ان کی اس رائے کو کہ رجم حد نہیں تعزیر ہے۔ محض ان کا تقدیر دیا جاسکتا ہے اور بس۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کی رائے

جہاں تک امام طحاوی کی رائے کا تعلق ہے تو وہ بھی عنایت اللہ سبحانی کی تائید میں نہیں جاتی۔ کیونکہ ان کی کتاب ”شرح معانی الآثار“ سے سبحانی صاحب نے جو اقتباسات اپنے موقف کی تائید میں ”حقیقت رجم“ کے صفحہ نمبر: ۲۳۳ اور نمبر: ۲۳۴ پر پیش کیے ہیں ان کے مطالعہ سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ ”دعا رہ“ یعنی غنڈہ گردی کی سزا جلاوطنی کو بطور تعزیر تسلیم کرتے ہیں جس کا نفاذ اور مدت میں کمی و بیشی امام کے فیصلہ پر منحصر ہے۔ مگر وہ بھی رجم کو تمام علمائے امت کی طرح اسی ترتیب سے حد میں شمار کرتے ہیں۔ یعنی غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے اور شادی شدہ زانی کے لیے رجم! امام طحاوی کے یہ الفاظ پھر پڑھیے۔ فرماتے ہیں:

((مِمَّا أَمَرَبِهِ نَفْيُ الزَّانِي عَلَى أَنَّهُ، لِلدَّعَاةِ لَا لِأَنَّهُ، حَدٌّ
وَاجِبٌ كَوُجُوبِ الْجَلْدِ وَالرَّجْمِ))

”یعنی آپ ﷺ نے اس زانی کے لیے جلاوطنی کا جو فیصلہ فرمایا تھا، وہ فیصلہ محض اس کی بدکرداری اور غنڈہ گردی کی وجہ سے تھا۔ اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ بھی کوئی حد تھی، جو اسی طرح واجب تھی جس طرح کوڑے اور رجم واجب ہے۔“

لہذا اس صورت میں سبحانی صاحب کا یہ دعویٰ کرنا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ ان کے موقف کی حمایت کرتے ہیں، کیونکر درست ہو سکتا ہے؟؟

علامہ شوکانی رحمہ اللہ پر الزام

جناب عنایت اللہ سبحانی صاحب نے ”نیل الاوطار“ کے حوالے سے ”حقیقت رجم“ کے صفحہ نمبر ۲۳۷، ۲۳۸ پر علامہ شوکانی کی جو عبارت نقل کی ہے اور اس پر ”علامہ شوکانی کی گرفت“ کا پُرکشش عنوان لگا کر یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ وہ بھی گویا رجم محض کا انکار کرنے والوں کے ہموار ہیں۔ اس جھوٹ کی قلعی، سبحانی صاحب کے

دیئے ہوئے اقتباسات میں موجود، ”نیل الاوطار“ کے اس اقتباس سے کھل جاتی ہے، جس میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے زنا کے مجرم کو قید اور جلا وطنی کی سزا دینے پر بحث کرتے ہوئے احادیث میں موجود جلا وطنی کی سزا اور آیت جلد میں اس کی عدم موجودگی کے تعارض پر بحث کرتے ہوئے خوارج کے اس استدلال کو غلط بتایا ہے، جس کی بنیاد پر خوارج جرمِ محسن کا انکار کرتے ہیں۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

((وَلَيْسَ بَيْنَ هَذَا الذِّكْرِ وَبَيْنَ عَدَمِهِ فِي الْآيَةِ مَنَافَاةٌ وَمَا أَشْبَهَ هَذَا الْإِسْتِدْلَالَ بِمَا اسْتَدْلَلَّ بِهِ الْخَوَارِجُ عَلَى عَدَمِ ثُبُوتِ رَجْمِ الْمُحْصِنِ فَقَالُوا: لِأَنَّهُ، لَمْ يُذْكَرْ فِي كِتَابِ اللَّهِ))

”اگر حدیثوں میں اس کا ذکر موجود ہے اور آیت میں نہیں ہے تو ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ یہ استدلال کس قدر مشابہ ہے اس استدلال سے جو خوارج نے کیا ہے اور جس کی بنیاد پر ان کا دعویٰ ہے کہ محسن کا جرم کیا جانا ثابت نہیں ہے، ان خوارج کی دلیل بھی یہی ہے کہ کتابِ الہی میں اس کا ذکر نہیں.....“

”نیل الاوطار“ کی وہ پوری عبارت جس کے کچھ الفاظ سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمائے ہیں۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ امام شوکانی رحمہ اللہ ”جرمِ محسن“ کے سلسلے میں ”اجماعِ امت“ سے یک سر مو بھی ہٹے ہوئے نہیں ہیں۔ انہوں نے تو اس قدر زور دار الفاظ میں خوارج کے انکارِ جرمِ محسن کے تمام دلائل کی تردید اور بطلان کیا ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی.....!

امام بخاری رحمہ اللہ پر نظرِ عنایت

امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب الحدود“ کی ابتدا ”لا یزنی الزانی وهو مومن“ کی حدیث سے کی ہے۔ جس میں سب سے پہلے زنا کا تذکرہ ہے۔ یعنی فعلِ زنا میں مشغولیت کے دوران ایمان اٹھالیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسی انداز سے سرقہ اور

لہ نیل الاوطار: جلد ۷، ص: ۸۹، طبع دار الریان للتراث والحديث بالقاهرہ

شرب الخمر کا ذکر کیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کی مناسبت سے پہلے تو زنا، چوری اور شراب پینے سے متعلق رفع ایمان کی احادیث تحریر کی ہیں اور ان احادیث کو مختلف ابواب کے تحت علی الترتیب تسلسل سے پیش کرتے چلے گئے ہیں۔ اسی طرح ”باب توبۃ السارق“ کے فوراً بعد ہمیں بخاری میں ”کتاب المحاربین عن الکفر والردہ“ کا عنوان نظر آتا ہے، جس میں ابو قلابہ الجرمی کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت درج کی گئی ہے جس میں مرتد ہونے والوں کے ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ”ائم الزناۃ“ اور ”رجم المحصن“ کے ابواب ہمیں بخاری میں ملتے ہیں۔ جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ زنا اور رجم المحصن سے متعلق ابواب ”کتاب المحاربین“ ہی کا ایک حصہ ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بخاری کی شرح ”فتح الباری“ میں لکھا ہے کہ بخاری کے اصل مسودے سے نقل کرنے والوں کی غلطی سے یہاں ”باب المحاربین“ کی جگہ ”کتاب المحاربین“ نقل ہو گیا ہے۔ ”باب رجم المحصن“ چونکہ اس کے بعد آتا ہے اس لیے یہ غلط فہمی پیدا ہونا لازمی ہے کہ یہ باب ”کتاب المحاربین“ ہی کا ایک حصہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ مضمون کی مناسبت سے ”کتاب المحاربین“ کا صحیح مقام بخاری میں ”کتاب الديات“ اور ”استتابہ الموتدين“ کے درمیان ہونا چاہیے تھا، مگر ”کتاب الحدود“ کے تحت محاربین اور مرتدین کی سزا کا تذکرہ امام بخاری نے شاید اس لیے کرنا مناسب سمجھا ہوگا کہ ان لوگوں کے جرائم کی سزا حدود ہی کے ضمن میں آتی ہے تعزیر میں نہیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں کے لیے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم سورہ مائدہ کے تحت براہ راست دیا گیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے شاید اسی مناسبت سے یہاں ”باب المحاربین عن الکفر والردہ“ قائم کیا تھا، مگر بخاری کے اصل مسودہ سے ناقلین کی غلطی سے لفظ ”باب“ کتاب سے تبدیل ہو گیا۔ اور نتیجتاً وہ ساری احادیث جو رجم اور سزائے زنا سے متعلق تھیں، سب کی سب اس باب میں ضم ہو گئیں۔ ۱۷

۱۷ ملاحظہ ہو: ”فتح الباری“ شرح بخاری حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ج :

۱۲، ص : ۱۰۹ (طبع دار المعرفۃ، بیروت، لبنان)

مولانا عنایت اللہ سبحانی جیسی کثیر المطالعہ، ذی استعداد اور صاحب علم شخصیت کی نگاہ دور رس سے فتح الباری کی مذکورہ بالا عبارت نہیں گذری ہوگی بھلا؟ ہم ایسی بدگمانی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی یہ بات قرین قیاس ہو سکتی ہے کہ ان جیسا ذکی، فہیم اور فطین انسان فتح الباری کی اس آسان عبارت کا مفہوم و مدعا سمجھنے سے قاصر رہا ہوگا۔ لہذا حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی اس تصریح اور وضاحت کے بعد بھی اگر عنایت اللہ سبحانی صاحب امام بخاری رحمہ اللہ کو زور و زبردستی سے جرمِ محسن کے منکرین کی صف میں شامل کرنے پر مُصر ہیں تو یقینی طور پر یہ ان کی صریح دھاندلی اور امام بخاری رحمہ اللہ پر ظلمِ عظیم ہوگا۔ سبحانی صاحب کی یہ معاندانہ روش، دانستہ طور پر حقائق سے چشم پوشی اور انصاف و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ بلاشبہ امام بخاری رحمہ اللہ کا دامن تقدیس اس الزام سے قطعی پاک ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور عملی نظائر، تعامل صحابہ و خلفاء راشدین اور اجماع امت کے علی الرغم کوئی دوسری رائے رکھتے ہوں یا وہ جرمِ محسن کے ضمن میں کسی معنی سے بھی خوارج و معتزلہ جیسے گمراہ فرقوں کے ہم خیال و ہموا ہوں۔

﴿سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ۝﴾

شیخ عبدالوہاب خلاف کا نکتہ نظر

شیخ عبدالوہاب خلاف جو اصول فقہ کی مستند کتابوں جیسے ”علم اصول فقہ“ اور ”مصادر التشریح الاسلامی“ کے مصنف ہیں اور عالم اسلام کے چوٹی کے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان پر بھی یہ الزام لگانا کہ وہ بھی جرمِ محسن کے مخالف ہیں۔ عنایت اللہ سبحانی صاحب کی صریح علمی خیانت، تلخیص اور کھلی دھاندلی ہے۔ کیونکہ شیخ عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”علم اصول فقہ“ میں قرآنی آیت ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ کی صرف تشریح اور وضاحت کی ہے اور اس آیت کے مطابق مجرد طور پر زانی کے لیے کوڑوں کی قطعی تعداد صرف سو کوڑے، نہ کم نہ زیادہ اور اس قرآنی حکم کے قطعی طور پر ”حد زنا“ تسلیم کیے جانے پر زور دیا ہے۔ ان کے اس بیان میں شادی شدہ

زانی (زانیِ محسن) کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی عبارت:

((قَوْلُهُ تَعَالَى فِي شَأْنِ الزَّانِيَةِ وَالزَّانِيَةِ فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ فَهَذَا قَطْعِي الدَّلَالَةِ عَلَى أَنَّ حَدَّ الزَّانَا مِائَةُ جَلْدَةٍ لَا أَكْثَرَ وَلَا أَقَلُّ))^۱

”زانی اور زانیہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ (ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔) نہایت قطعیت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حد زنا سو کوڑے ہیں۔ نہ اس سے کم اور نہ اس تعداد سے زیادہ۔“

فعل زنا کی سزا مجرد طور پر قرآن مجید میں سو کوڑے بیان کی گئی ہے۔ اس بات سے انکارِ آخرفسلف و خلف میں کس نے کیا ہے؟ اور سورہ نور کی اس صریح آیت کی خلاف ورزی کی مجال کس میں ہے؟؟ لیکن اس آیت کی جو تشریح و وضاحت صاحب قرآن رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور آپ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے محسن اور غیر محسن کی سزائے زنا میں جو تفریق کی ہے۔ اس سے انکار کرنا کیا قرآن عظیم ہی کی ایک دوسری آیت ﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ کی صریح تکذیب نہیں ہے؟ رجم سے متعلق احادیث صحیحہ تقریباً چھتیس ۳۶ صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ اور بقول علامہ ابن حزم یہ صحابہ کرام ایسے رتبے کے مالک ہیں کہ ان میں سے دو تین کی روایت بھی کسی حدیث کو تو اتر کی حد تک پہنچانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔^۲

اس کے علاوہ سلف سے خلف تک تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔ اس اتفاق و اجماع کا انکار عنایت اللہ سبحانی صاحب کو نہ صرف یہ کہ خوارج و معتزلہ کی ہمنوائی کرنے والوں میں شامل کر دیتا ہے بلکہ وہ یقینی طور پر اپنی اس غلط روش کی بنا پر سورہ نساء کی آیت تہدید کی زد میں آجاتے ہیں۔

^۱ ”علم اصول فقہ“ شیخ عبد الوہاب خلاف رحمہ اللہ ص: ۳۵

^۲ ”سزائے رجم قرآن و سنت کی روشنی میں، پروفیسر ساجد الرحمن صدیقی ص: ۱۲۵، ۱۲۶ (مکتبہ اسلامی دہلی)

﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُضَلِّهِمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۱۱۵﴾

[النساء: ۱۱۵]

” اور جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے در آں حالیکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا ہو۔ اور پھر اسے جہنم میں جھونک دیں گے، جو بدترین ٹھکانہ ہے۔“

اس آیت کی تفسیر اور تشریح کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

” یعنی جب کسی کو حق بات واضح ہو چکے پھر اس کے بعد بھی رسول کے حکم کی مخالفت کرے اور سب مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جدا راہ اختیار کرے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے، جیسا کہ اس چور نے کیا جس کا ذکر ہو چکا۔ بجائے اس کے کہ قصور کا اعتراف کر کے توبہ کرتا یہ کیا کہ ہاتھ کٹنے کے خوف سے مکہ بھاگ گیا اور مشرکین میں مل گیا۔“

فائدہ:..... انکارِ جم نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اجماعِ امت کا منکر اور مخالف جہنمی ہے۔ یعنی اجماعِ امت کو ماننا فرض ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر۔ جس نے جدا راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا۔“

اگر اس آیت کی تشریح میں ”سبیل المؤمنین“ سے مراد مفسرین کا وہ موقف لیا جائے جس میں اسے ”اجماعِ امت“ کا مترادف قرار دیا گیا ہے، تب بھی عبادت اللہ سبحانی صاحب اس آیت کی زد میں آتے ہیں اور اگر دیگر علماء امت کی تصریح کے مطابق ”سبیل المؤمنین“ کی تحدید صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات مقدسہ تک رکھی جائے تو

۱۔ قرآن مجید ترجمہ شیح الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ و تفسیر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ص: ۱۲۷ (تفسیر سورہ نساء)

س صورت میں بھی سجانی صاحب، ﴿نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ کے ہدف قرار پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ ہماری دعا ہے کہ رب اعزت جناب مولانا عنایت اللہ سجانی صاحب کو مثبت انداز میں سوچنے اور رجم مہسن کے بارے میں اپنے خیالات کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور غرورِ علم، اتانیت اور بے جا پندار سے انہیں محفوظ رکھے۔ (آمین)

((اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ، وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَاَرزُقْنَا اجْتِنَابَهُ))



فہرست ماخذ

۱	قرآن مجید	تَنْزِيلُ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ
۲	تفہیم القرآن	سید ابوالاعلیٰ مودودی..... (مکتبہ اسلامی دہلی)
۳	تفسیر البہام الرحمن	مولانا عبید اللہ سندھی
۴	مشکلات القرآن	علامہ انور شاہ کشمیری
۵	الفراہی واثرہ فی التفسیر	ڈاکٹر معین الدین اعظمی
۶	تفسیر تدریقرآن	مولانا امین احسن اصلاحی (مطبوعہ لاہور)
۷	حواشی الفرائی علی القرآن المجید	مولانا حمید الدین فراہی (غیر مطبوعہ)
۸	الدر المنثور	علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ
۹	احکام القرآن	قاضی ابوبکر ابن العربی
۱۰	الجامع الصحیح للبخاری	امام ابو عبد اللہ بن محمد اسماعیل البخاری (التوفی ۲۵۶ھ)
۱۱	الصحیح لمسلم	امام ابوالحسن مسلم بن الحجاج القشیری (التوفی ۲۶۱ھ)
۱۲	سنن ابوداؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث (التوفی ۲۷۵ھ)
۱۳	الجامع الصحیح ترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (التوفی ۲۷۹ھ)
۱۴	فتح الباری، شرح بخاری	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (طبع بیروت)
۱۵	فیض الباری	علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ
۱۶	بذل المجهود	(دارالکتب بیروت)
۱۷	اسنن الکبریٰ	للبيهقي
۱۸	مظاہر حق	(شرح مشکوٰۃ)
۱۹	محیط المحيط	المعلم بستانی..... (طبع بیروت ۱۸۷۰ء)
۲۰	تاج العروس	سید مرتضیٰ زبیدی..... (طبع بیروت ۱۸۶۶ء)

- | | |
|---|---------------------------------------|
| ابن منظور افریقی..... (طبع بیروت ۱۹۵۵ء) | ۲۱. لسان العرب |
| مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمہ اللہ | ۲۲. القاموس الجديد |
| مولانا عبدالحفیظ بلیاوی | ۲۳. مصباح اللغات |
| عبدالرحمن الجزیری (مطبوعہ مصر) | ۲۴. کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ |
| شیخ عبدالوہاب خلاف | ۲۵. علم اصول الفقہ |
| ڈاکٹر عبدالعزیز عامر (طبع قاہرہ) | ۲۶. التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ |
| ابن رشد..... (مطبوعہ بیروت ۱۹۸۳ء) | ۲۷. بدایۃ المجتہد |
| شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ | ۲۸. حجة الله البالغہ |
| علامہ علاء الدین کاسانی | ۲۹. بدائع الصنائع |
| ابوالعلی | ۳۰. احکام السلطانیہ |
| | ۳۱. ماوردی |
| علامہ سرخسی | ۳۲. المبسوط |
| للبلاذری | ۳۳. فتوح البلدان |
| حمید الدین فراہی | ۳۴. احکام الاصول باحکام الرسول |
| لابن اثیر | ۳۵. اسد الغابہ |
| | ۳۶. طبقات ابن سعد |
| | ۳۷. مقدمہ ابن الصلاح |
| | ۳۸. شرح العقائد للنسفی |
| علامہ شوکانی رحمہ اللہ | ۳۹. نیل الاوطار |
| امام طحاوی رحمہ اللہ | ۴۰. شرح معانی الآثار |
| حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ | ۴۱. الاصابہ |
| محمد حنیف گنگوہی (مکتبہ اشرفیہ لاہور) | ۴۲. معدن الحقائق |
| پروفیسر ساجد الرحمن صدیق | ۴۳. سزائے رجم قرآن و سنت کی روشنی میں |

۳۴	عثمان ذوالنورین	مولانا سعید احمد اکبر آبادی
۳۵	تاریخ کی مظلوم شخصیتیں	مولانا عبدالعلی فاروقی
۳۶	حدود و قصاص	مولانا مجیب اللہ ندوی (الرشاد مسوناتہ: بھجن)
۳۷	سہ ماہی تحقیقات اسلامی	علی گڑھ
۳۸	قرآن مجید مترجم شیخ الہند محمود الحسن و	تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی (مطبوعہ مدینہ منورہ)
۳۹	روح المعانی	علامہ سید محمود آلوسی
۵۰	فتح القدیر	شرح ہدایہ..... محقق ابن ہمام حنفی
۵۱	المغنی	امام موفق ابن قدامہ مقدسی
۵۲	المحلی	امام ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ



وَالصَّمَدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



المكتبة الحانفية

۹۹۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

نمبر.....14246.....

چند برس پہلے ایک دوست نے سعودی عرب سے شائع شدہ ایک کتاب ”اسلام میں بدعت و ضلالت کے محرکات“ مطالعے کے لیے دی۔ یہ خالصتاً علمی نوعیت کی کاوش تھی۔ چند صفحات کے مطالعے سے معلوم ہو گیا کہ صاحب کتاب نے اپنے موضوع سے انصاف کیا ہے۔

ڈاکٹر ابوعدنان سہیل کا اسلوب تحریر نہایت جاندار ہے اور وہ اپنے موقف کے حق میں دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے ہیں۔ چونکہ ادب سے ان کا گہرا تعلق ہے، اس لیے تحریر میں اعلیٰ درجے کی ادبیت اور چاشنی پائی جاتی ہے۔ نہایت سنجیدہ علمی بحث بھی ایسے پیرائے میں لکھتے ہیں کہ قاری بے اختیار پڑھتا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ کتاب کے مطالعے کے بعد ان سے غائبانہ عقیدت کا رشتہ استوار ہو گیا۔ بہت سے احباب کو ڈاکٹر صاحب کی کتاب مطالعے کے لیے دی۔ ہر کسی نے اسے پسند کیا۔ 2003ء کے اواخر کی بات ہے، ہمارے نہایت مشفق دوست جناب عبدالرشید قمر ایک روز کہنے لگے کہ آپ سب لوگوں کی کتابیں چھاپتے ہیں تو میرے بھائی کی کتابیں کیوں نہیں چھاپتے؟ میں نے کہا آپ کے بھائی کون ہیں؟ کہنے لگے ڈاکٹر ابوعدنان سہیل۔ مجھے بڑی خوشگوار حیرت ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب ان کے عزیز ہیں۔ کہنے لگے کہ وہ انڈیا میں ہوتے ہیں اور میرے خالہ زاد بھائی ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے کچھ مسودے اور کتب بھیجی ہیں کہ پاکستان میں ان کے حقوق تمہارے نام میں اور تم انہیں شائع کرو۔ میں نے قمر صاحب سے ڈاکٹر صاحب کی کتب اور مسودے بغرض اشاعت لے لیے۔ ان کی ایک کتاب ”اذکار تصوف اور تزکیہ نفس“ بالاقساط مجلہ الاخوانہ میں شائع ہو کر داد تحسین پا چکی ہے۔ اس کے بعد یہ کتاب ”انکارِ رجم“ اسی مجلے میں شائع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جس خوبصورتی سے حدیث شریف کا دفاع کیا ہے اس پر ہم ان کے لیے دعا گو ہیں۔ اللہ رب العزت ان سے راضی ہو اور اس کتاب کو ان کے لیے توشہ آخرت بنائے۔ میں جناب عبدالرشید قمر صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے مسودے مجھے اشاعت کے لیے دیئے۔ اس کے علاوہ کتاب کا سرورق لکھا۔ ہم فاضل مصنف کی سی علمی وسعت کے حامل تو نہیں تاہم ان کی اس کتاب کی اشاعت کے سبب ہم بھی امیدوار شفاعت رسول ﷺ ہیں۔

عمر فاروق قدوسی

مئی 2005